شبِ نگاربنداں

سیّد عابد علی عابدؔ

پبلشرز

مکتبۂ اردو ۰ لاہور

شبِ نگارِ بنداں

طبع اول: فروری ۱۹۵۵ء

ناشر: افتخار علی چوہدری

مقام اشاعت: مکتبہ اردو لاہور

مطبع: اردو پریس لاہور

قیمت: تین روپے آٹھ آنے

شبِ نگار بنداں

(کلام کا انتخاب)

سیّد عابد علی عابد

مکتبۂ اردو، لاہور

به خیال نقش و رنگم زدو دیده خواب برده
خم ابروئے نگاریں چو شب نگار بنداں

(نظیری نیشاپوری)

آنچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام دانی کہ چیست
یک چمن گُل یک نیستاں نالہ یک خُم خانہ مے

فہرست

(۱)

یک چمن گُل ——— غزلیات

(۲)

یک نیستاں نالہ

(نظمیں، مسلسل غزلیں، رباعیات)

(۳)

پیکِ خمسم خانۂ مے

ساقی نامے، اور اسی اسلوب کی دوسری نظمیں

اِنتساب

پھر بلقیس کے نام، جو بہت مشکل سے اس بات کی قائل ہوئی ہے کہ میں اچھا شعر کہتا ہوں معلوم نہیں اس نے اس معاملے میں اپنا مسلک کیوں بدلا۔ کیونکہ ؎

اِس کی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو
آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

عابدؔ

میرزا ادیب

پلیش لفظ سے پہلے

"شبِ نگارِ بنداں" زندگی بھر کا شعری سرمایہ ہے ایک ایسے شخص کا جس کا نام آتے ہی ذہن میں ادب کی کئی اصناف کا تصور جاگ اٹھتا ہے۔ عابد صاحب نے اپنے مختلف ادوار میں مختلف اصنافِ ادب میں کچھ اس نوع کی امتیازی خصوصیات کا مظاہرہ کیا ہے کہ صرف ایک صنف سے متعلق ان کی ذہنی تخلیقات کا جائزہ لیکر انکے بارے میں گفتگو کرنا ان کی ذات اور ادب ـــــ دونوں پر زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت ساری دنیائے اردو میں ان جیسا جامع صفات ادیب اور کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ افسانہ نگاری میں انہوں نے انتہائی بلندیوں کو چھو لیا۔ انتقادی ادب میں ان کا نام زندہ رہے گا۔ تمثیل نگاری میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔ اور اب غزل گوئی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو یہ صنعت گویا ان کے نام کا ایک 'جزوِ لاینفک' بن کر رہ گئی ہے۔ میں یہاں ان کی دو اور خصوصیتوں کا ذکر کروں گا۔ ایک خصوصیت تو ہندوستان کی کلاسیکی موسیقی سے ان کی والہانہ وابستگی ہے اور دوسری خصوصیت ہے حروف کے صوتی نظام میں ان کا فاضلانہ درک دونوں چیزوں نے ان کے ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے خصوصاً نظموں اور غزلوں میں مترنم تراکیب کا استعمال اور صوتی زیر و بم کا ایک خاص شعوری التزام دور تک انہی خصوصیتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ان کا کوئی نثری کارنامہ ہو یا شعری تخلیق۔ ہر چیز اور ہر جگہ ان کی ایک خاص خوبی مجھے بہت نمایاں محسوس ہوئی ہے۔ اور یہ خوبی ہے ہنبت کاری اپنی ذہنی پیداوار کے ہر جزو کو انہوں نے اتنی محنت جگر کاوی اور فن کارانہ مہارت کے ساتھ بنایا سنوارا اور نکھارا ہے کہ ہر ایک خد و خال ـــــ فنی مقتضیات کے اعتبار سے ـــــ اپنی جگہ مکمل نظر آتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کسی ادبی کاوش کا مجموعی تاثر صرف اسی صورت میں مترتب ہو سکتا ہے جبکہ اس کاوش کا ہر جزو اس تاثر سے ہم آہنگ ہو۔ یہاں مجھے ان کی ایک بات کبھی نہیں بھولے گی۔ انہوں نے ایک بار اثنائے گفتگو میں کہا تھا: "یوں تو ایک

ادبی تخلیق وجدانی تحریک ہی کے زیرِ اثر بروئے کار آتی ہے۔ مگر اس کا نصف حصہ ہماری مشق، مزاولت محنت و شعوری جد و جہد کا حامل ہوتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں اِس قول کی صداقت کہ جگر کاوی سے معجزہ فن کی نمود ہوتی ہے ان کی ہر ادبی کاوش سے ظاہر ہے۔

آج کل ادبی دنیا میں عابد صاحب کی غزل گوئی کا چرچا عام ہے اور کہا جاتا ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد غزل کے جلال و جمال میں سب سے زیادہ جس شاعر نے حصہ لیا ہے وہ عابد کے سوا اور کوئی نہیں حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے نوجوان غزل گو شعراء کی تیزی و تندیٔ شباب کی جن خاص واردات عشقیہ کو موضوعِ شعر بناتے ہوئے جھجک سی محسوس کرتی ہے ۔۔۔ وہ واردات اپنے تمام وجدانی و فنی تقاضوں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے عابد صاحب کی غزلوں کا سنگھار بنی ہوئی ہے۔ غزل میں ان کی آواز سرزمینِ حافظ و سعدی کے لالہ زاروں سے پھوٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس آواز میں عابد کی اپنی منفرد شخصیت کی گھلاوٹ بھرپور انداز میں موجود ہے۔ ایک مفکر کا فکر انگیز لہجہ اور ایک جرأت پسند شخص کا نعرۂ بیباکانہ دونوں چیزیں ان کے یہاں گھل مل سی گئی ہیں ۔۔۔ ان کے علاوہ عابد صاحب نے اپنی غزلوں میں (خاص طور پر) ان مسائل کے فکری ردِ عمل کو بھی سمیٹ لیا ہے۔ جو موجودہ دور کی معاشی اور مجلسی زندگی کے پس منظر میں پوری شدت کے ساتھ برسرِ عمل ہیں۔

آخر میں میں ایک خوشگوار حادثے کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اس حادثے کے متعلق آج سے کم و بیش بیس سال پہلے کی ایک شام سے ہے۔ مجھے "ہزار داستان" کے کچھ پرچے مل گئے تھے اس ادبی رسالے کے چیف ایڈیٹر حکیم احمد شجاع صاحب تھے اور غالباً عابد صاحب بھی ادارت میں شامل تھے۔ ان پرچوں میں عابد صاحب کے افسانے پڑھنے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہوا ۔۔۔ اور یوں میرے فنِ نثر نگاری کی ادبی راہنمائی عابد صاحب نے کی ۔۔۔ میرے "جرمِ ادب طرازی" کا کچھ نہ کچھ حصہ عابد صاحب پر بھی عاید ہوتا ہے۔ پہلا حادثہ وہ تھا اور دوسرا حادثہ یہ ہے کہ شاگرد اپنے محترم استاذ کے شعری اثاثے کے دو صفحے اپنے لئے بھی وقف کر رہا ہے!

محمود نظامی

پیش لفظ

اسی فروری کی بات ہے پشاور میں ایک مشاعرے کا انعقاد ہوا۔ اس میں شرکت کے لئے لاہور سے تین ایسے حضرات بھی آ رہے تھے جن سے زندگی میں میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ جب اس دن جاڑے کی برفانی صبح کے ابتدائی لمحات میں گاڑی ریلوے اسٹیشن پر رکی اور میں ان بزرگوں کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھا تو ریل کے ڈبے میں مجھے صرف تبسّم اور سالکؔ نظر آئے۔ عابدؔ جن کے بارے میں گذشتہ شام کے سات بجے تک کی اطلاع یہ تھی کہ وہ بھی آ رہے ہیں۔ موجود نہ تھے۔ اور پھر تبسّم نے میرے استعجاب کو رفع کرنے کے لئے خود ہی مجھے بتلایا۔ کہ عابدؔ اپنی شدید علالت کی وجہ سے سفر نہ کر سکے تھے۔ پشاور کی طرف روانہ ہونے سے تھوڑی دیر پہلے اچانک ان پر ذیابیطس کا ایسا خوفناک حملہ ہوا کہ وہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے تو حالات اور

معالجوں کی آراء مایوسی پیدا کرنے لگی تھیں۔ لیکن پھر نہ جانے یہ کیسے ہوا کہ یک لخت مرض کی ہلاکت آفرینی کے مقابلے میں مریض زیادہ سخت جان نکلا۔ حالات اور آراء نے پلٹا کھایا اور عابد گویا عالمِ برزخ کے ایک مختصر سے مشاہدے کے بعد پھر اس جہانِ بے ثبات میں لوٹ آئے۔

یہ تیسری مرتبہ تھی کہ تھرمباسس کے ذکر نے مجھے چونکا دیا۔ تینوں مرتبہ اس کا نام ایسے شفیق بزرگوں کی علالت کے سلسلے میں میرے کانوں تک پہنچا تھا جن کے قدموں میں میری زندگی کے بہترین لمحات گزرے تھے۔ ان تینوں میں یہی بات مشترک نہ تھی کہ یہ سب میرے استاد تھے، یا یہ کہ نظم و نثر دونوں کے اعتبار سے تینوں دنیائے ادب میں اونچے پائے کے صاحب طرز فنکار تسلیم کئے جاتے تھے بلکہ ان میں ایک حیرت انگیز یکسانیت یہ بھی تھی کہ یہ تینوں ایک سے دراز قامت، ایک سے قوی ہیکل اور ایک سے مضبوط و توانا تھے۔ یہ شاید ان کی باہمی وضعداری تھی کہ اگر انہوں نے صحت میں ایک دوسرے کا رنگ اختیار کیا تھا تو علالت میں بھی اپنی مماثلت کو نہ چھوڑا تھا۔ ۱۹۵۰ء کے نومبر کی آخری رات کا ذکر ہے۔ اس خوفناک مرض نے تاثیر پر حملہ کیا۔ پلک جھپکتے میں حیات کو خاطر میں نہ لانے والا تاثیر ہنستا بولتا سب کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے یوں اوجھل ہوا گویا ابھی تھا اور ابھی نہیں ہے۔ یہ حادثہ اتنا غیر متوقع اور یوں آناً فاناً واقع ہوا تھا کہ زندگی کو ناقابلِ اعتماد اور ناپائیدار سمجھنے والے بزرگ بھی اپنے سے کچھ مایوس نظر آنے لگے۔ اور پھر ایک دن اسی طرح اچانک

یہ خبر لاہور میں ہر طرف دوڑ گئی کہ دس منٹ پہلے چراغ حسن حسرت بھلے چنگے کام کر رہے تھے، اور پھر جو دل کے درد سے نڈھال نیم بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال پہنچے ہیں تو بس حیات کی ایک آدھ رمق ہی باقی رہ گئی تھی۔ سہمی ہوئی ادبی دنیا ایک مرتبہ پھر امید و بیم کی کشمکش میں اُلجھ گئی۔ اور ابھی اس خوف و ہراس کی شدّت کم نہ ہوئی تھی کہ دفعتاً ایک ایمبولنس ایک اور مریض کو ہسپتال لے جانے کے لئے نکلسن روڈ کے اس مکان پر جا ٹھہری جہاں تبسّم اور سالکؔ کی آمد سے پندرہ بیس منٹ پہلے گھر کے ارکان پشاور کے سفر کے لئے عابدؔ کا سامان باندھ رہے تھے۔

چھ ہفتے کے بعد جب میں تبادلے پر پشاور سے لاہور آیا تو میں نے سُنا کہ حسرتؔ پہلے کی نسبت بہتر ہیں لیکن عابدؔ کے بارے میں ابھی تشویش باقی تھی، اور پھر ایک دن اچانک میرے دو تین رفقارِ کار کچھ مغموم سا منہ بنائے یوں میرے کمرے میں داخل ہوئے گویا کوئی ایسی خاص بات کہنے کے لئے آئے ہیں جسے زبان پر لانے کا کسی کو یارا نہیں۔ ایک مختصر سے وقفے کے بعد ان میں سے ایک نے کہا آپ جانتے ہیں کہ پروفیسر عابد علی عابدؔ کی صحت ٹھیک ہو چکی تھی لیکن کل اچانک ان کی بیماری نے کچھ ایسا پلٹا کھایا۔ کہ اب کسی وثوق سے یہ کہنا قطعی ناممکن ہو گیا ہے کہ وہ اس سے پھر جانبر ہو سکیں گے یا نہیں۔ میرے لئے ان فقروں کے اصل مفہوم کو سمجھنا مشکل نہ تھا۔

صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ عابدؔ نے ریڈیو اور ادب

کی جو طویل خدمات سرانجام دی تھیں۔ اگر اُن کے اعتراف کا وقت آ ہی گیا تھا تو پھر اس کا اہتمام خود میرے ہی ذمہ ہونا چاہیئے۔ آخر مجھ سے زیادہ کس شخص نے اُن کی فنی قابلیت، علمی دسترس اور ادبی استعداد کا اس قدر فائدہ اٹھایا تھا اور کس دوسرے واحد شخص کی خاطر انہوں نے تعداد اور تنوّع میں نظم ونثر کی اتنی وافر چیزیں یوں لگاتار لکھی تھیں۔ کہ اپنے طرزِ نگارش اور اسلوبِ تحریر کا کوئی نکتہ اس سے مخفی نہ رہنے دیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "اگر روایات کا تقاضا یہی ہے کہ عابؔد کی یاد میں کچھ کہا جائے تو اس فریضے کی ادائیگی کا شرف مجھی کو ملنا چاہیئے۔ مجھے ان کی ریڈیو کے لئے لکھی ہوئی چیزیں ایک نظر دیکھنے کے لئے لا دیجیئے۔" اور جب وہ مواد اکٹھا کرنے کے لئے چلے گئے تو میں سوچنے لگا۔

میں سوچ رہا تھا کہ عابؔد سے میری پہلی ملاقات کب اور کن حالات میں ہوئی تھی۔ اس واقعے کو اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ گزشتہ وقت کی ایک تہ در تہ گرد نے اپنے انجماد سے بیتی ہوئی زندگی کے حالات کو بالکل دھندلا رکھا تھا۔ لیکن پھر یک لخت ماضی کے مٹے مٹے نقوش حافظے کی روشنی میں اُبھر کر اپنی جزئیات سمیت میرے سامنے آ گئے۔ اور تصوّر کے آئینے میں مجھے وہ شام صاف دکھائی دے گئی جس کے جھٹ پٹے میں میں زندگی میں پہلی مرتبہ پروفیسر عابد علی عابؔد کے ہاں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حاضر ہؤا تھا۔ اور وہاں سے واپسی پر اپنی ادبی زندگی

کے ایک اہم رُخ کو یوں پلٹ چکا تھا گویا کبھی اس سے آشنا ہی نہ تھا۔

یہ ۱۹۳۰ء کے موسمِ سرما کی بات ہے۔ یعنی اس زمانے کا ذکر ہے جب پنجاب میں ادبِ اردو کی خدمت جزوِ ایمان تھی۔ صوبے کے ہر طرف ادبی سرگرمیوں نے شعرائ اور ادبائ کے دل و دماغ میں عملِ پیہم کی مستقل تحریک پیدا کر رکھی تھی۔ علوم و فنون کی بیش بہا مطبوعات اور شعر و ادب کی قابلِ قدر تصانیف سے زبانِ اردو کا خزینہ مالا مال ہو رہا تھا۔ جگہ جگہ عالم و فاضل اور روشن خیال حضرات نے صوبے کے ادبی ذوق کی تربیت کی خاطر ادارے قائم کر رکھے تھے جن میں مشرق و مغرب کی قابلیت کے جامع اُدبائ اپنی تحریروں سے نئی تحریکات کا آغاز کر رہے تھے۔ ادھر مغربی اثرات نے نئے اسلوبِ نگارش اور نئی طرزِ تنقید سے ایک نئی قسم کے تنومند ادب کو جنم دیا تھا۔ جس کے سامنے پرانی طرز اور قدیم روش کی عمارتیں منہدم ہونے لگی تھیں۔ یہ ایام ۱۹۲۸ سے ۱۹۳۸ء تک کے اس زرّیں دور کا خوش آئند آغاز تھے۔ جس میں چھلانگیں لگا کر ادبِ اردو ترقی کے اس مقام پر جا پہنچا تھا جہاں وہ آج نظر آتا ہے۔ انہیں ایام میں فیضؔ۔ اخترؔ شیرانی اور راشدؔ نکرِ شعر و سخن کے لئے ایک جدید طرز کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ حفیظؔ گیتوں کو رواج دینے کے لئے کوشاں تھے۔ نوجوان شعرائے بلینک ورس، فری ورس، سانٹ کے ساتھ ساتھ ہندی اور فارسی بحور پر طبع آزمائی شروع کر رکھی تھی۔ ادھر نثر نگار اظہارِ خیال کے لئے نئے نئے راستے تلاش کر رہے تھے۔ ناول اور افسانے کی افادیت کے

لئے نئے مضامین اور کرداروں کے تجزیۂ نفس کے لئے جدید طرزِ نگارش کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ علمی اور فنی مضامین کے پہلو بہ پہلو مزاح اور ادبِ لطیف کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ نقد و نظر کے نئے معیار نئے پیمانے وضع کئے جا رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ خود ہمارے شعر کا وہ عالی مرتبت خزینہ جس نے "بالِ جبریل" اور "ضربِ کلیم" کے عنوان سے چند برس بعد شائع ہو کر اردو شاعری میں اپنے ابدی اثرات سے ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ انہی ایام میں سینۂ شاعر سے صفحۂ کاغذ پر منتقل ہو رہا تھا۔

اس دور میں گو بساطِ ادب ایسی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بٹی ہوئی تھی جو اپنے طریقِ کار کے اختلاف کے باوجود اپنے مطمحِ نظر کے اعتبار سے سب ایک ہی سلسلے میں پیوستہ تھیں۔ لیکن کہیں کہیں ایک آدھ ایسا خاموش کارکن بھی نظر آ جاتا تھا جو جو اپنے لئے جماعتی جنبہ داریوں سے بچ کر ایک علیحدہ گوشے میں تن تنہا کام کرنے کو زیادہ موزوں خیال کرتا تھا۔ پروفیسر عابد علی عابد ایسے ہی خال خال لوگوں میں سے تھے۔ جو کسی مخصوص یا معروف جماعت میں منسلک ہونے کی بجائے الگ تھلگ بیٹھ کر کام کرنے کے قائل تھے۔ میں اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں بی۔ اے میں پڑھتا تھا۔ جہاں بزمِ فروغِ اردو نے ڈاکٹر تاثیر مرحوم کی صدارت میں ایک بہت مفید ادبی کام کی طرح ڈال رکھی تھی۔ میں بھی اپنے تکمیلِ ذوق اور حصولِ علم کے لئے اس بزم کا رکن تھا۔ لیکن میری طبع کی ایک اُفتاد ایسی تھی کہ اس کی رہنمائی کے لئے مجھے تاثیر جیسے سخت گیر اتالیق کی بجائے کسی نرم رَو اُستاد کے مشورے کی ضرورت تھی۔

جالندھر کی ادب پرور اور شاعر خیز سرزمین سے نسبت رکھنے کی وجہ سے میں سکول کے زمانے ہی سے شعر کہتا تھا۔ لیکن خامیوں میں ہمیشہ کے لئے پختہ ہو جانے سے پہلے میں چاہتا تھا کہ میں اپنا کلام اصلاح اور مشورے کی غرض سے کسی کہنہ مشق شاعر کو دکھاؤں۔ میں نے جب اس نیّت سے اطراف میں نظر دوڑائی تو مجھے عجیب منظر دکھائی دیا۔ اس زمانے میں نئے اور جدّت طراز شعرا کے علاوہ عام طور پر اقبالؔ کی تقلید ہر شاعر کے لئے ایک ضروری موضوعِ سخن بن گئی تھی۔ اور اکثر شاعر اخلاق و موعظت کے لئے بڑی بڑی نظمیں لکھنا اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے تھے۔ ادھر نئی تحریکات نے جو افراط و تفریط پیدا کر دی تھی اس کے باعث جوان سال شعراء کے کلام کا اکثر حصّہ جنسی تعلقات اور جسمانی لذّات کے بیان کا دوسرا نام بن گیا تھا۔ پھر پرانی طرز کے بعض شعراء کے افکار، عشق و محبّت پر خشک تقاریر اور جواب مضمونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اُن کی غزل اب تک محض نقالی اور کورانہ تقلید کا ایک بے کیف نمونہ تھی۔

اُس زمانے میں عابدؔ کا کلام ادبی رسائل و جرائد میں آج کی نسبت کہیں زیادہ دیکھنے میں آتا تھا۔ قدرتی طور پر میری نظر ان کی طرف گئی۔ عابدؔ نے اس زمانے میں گجرات کی عشق پرور زمین اور چناب کے جنون خیز پانیوں کے متعلق کچھ نظمیں لکھی تھیں۔ جن میں مقامی رنگ اس شدت سے تھا کہ ان کی کہی ہوئی بات اپنے نئے اندازِ بیان کی وجہ سے پڑھنے والوں کے لئے بالکل نئی چیز بن گئی تھی۔ گو فطرت کی

عکاسی کوئی ایسی شے نہ تھی جس پر عابد ہی نے پہلی مرتبہ قلم اٹھایا تھا۔ لیکن میرے نزدیک عابد کو جو بات دوسرے شاعروں سے اس بات میں ممیز کرتی تھی۔ یہ تھی کہ وہ بڑے شہروں کے ہنگاموں سے دور رہنے کی وجہ سے مظاہرِ فطرت کا ایسا مشاہدہ کر چکے تھے جن کی حقیقی قربت سے ہمارے اکثر شاعر بے بہرہ رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے عابد کی فطرت پرستی ایک فطری شے تھی۔ جس نے اُن کے بیان میں حد درجہ خلوص اور بے ساختگی پیدا کر دی تھی۔

ان نظموں نے مجھے اُن کی دوسری نظموں کی طرف متوجہ کیا، اور میں نے دیکھا کہ ان کے کلام میں ایک ایسی سادگیٔ اسلوب۔ سلاستِ بیان۔ سنجیدگیٔ خیال اور پاکیزگیٔ جذبات موجود ہے جس نے اس کو ایک علیحدہ رنگ دے دیا ہے۔ اور اب مجھے اُن کی غزلیات کی تلاش ہوئی۔ جب جرائد و رسائل سے یہ بھی دستیاب ہو گئیں۔ تو اُن کے مطالعے سے میں نے محسوس کیا کہ گو غزل میں عابد پر غالب اور مومن کا بہت اثر نظر آتا ہے۔ اور اساتذۂ اردو سے شغف رکھنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی غزل میں پرانے قاعدے کے مطابق تمام مروجہ مضامین کو باندھا ہے۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے قدیم طرز سے علیحدگی، عام سطح سے بلندی اور رسمی انداز سے آزادی اختیار کرنے کے لئے یہاں بھی اپنا انفرادی رنگ قائم رکھا ہے۔ غزل میں عابد کی یہ ادا مجھے بہت پسند آئی۔ ہر زندہ شاعر پرانے اصولوں کو توڑ کر اپنے لئے نئے اسلوب وضع کرتا ہے۔ لیکن وہ شاعر اس سے بھی زیادہ جاندار ہے، جو اپنے اظہارِ خیال کے لئے پرانی بندشوں کے اندر رہ کر اپنے تخیل کی حرکت کے لئے نئے راستے اور اپنے

فکر کی ترجمانی کے لئے نئے زاویے تلاش کرے۔ شاید عابد کی یہ ادا میرے لئے اس بنا پر باعثِ کشش تھی کہ میں عابد ہی کی طرح روایت پرست نہیں روایت پسند واقع ہُوا ہوں۔

میں نے فیصلہ کیا کہ میں اصلاحِ کلام کے لئے عابد سے مشورہ کروں گا۔ اور میں اپنی ایک تازہ غزل کاغذ پر خوشخط لکھ کر شام کے وقت عابد کے ہاں پہنچا۔ عابد اپنی نشست کے کمرے میں بیٹھے تنہائی میں کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ آس پاس رسائل و اخبارات کا ایک انبار سا لگا ہُوا تھا۔ اور میز پر کہ سیول پر حتیٰ کہ فرش پر بھی کتابیں یوں بکھری پڑی تھیں گویا کسی نے انہیں اٹھا کر ٹپک دیا تھا۔ اس پر مستزادیہ کہ ایک خوفناک سناٹا ہر طرف چھایا ہُوا تھا۔ جس میں حقّے کی گڑگڑاہٹ مہیب آوازیں پیدا کر رہی تھی۔ کمرے کی کم روشنی، سامان کی بے ترتیبی، فضا کا سکوت، اور حقّے کی گڑگڑاہٹ، ان سب نے مل کر میرے حواس پر ایک ہراس آگیں اثر کیا جس کے باعث میں کھل کر عابد سے یہ نہ کہہ سکا کہ کیسا اشتیاق اور کیسی عقیدت، مجھے ان تک کھینچ کر لائی تھی۔ بہرحال جیسے ہی میں حرفِ مطلب زبان پر لایا انہوں نے کاغذ کا پرزہ میرے ہاتھ سے لیا۔ غزل کو اِدھر اُدھر سے دیکھا اور پھر مجھ سے کہا "پرسوں چھٹی ہے۔ آپ صبح آجائیے جو کچھ مجھے بیان کرنا ہے۔ میں آپ سے کہہ دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی حقّے کی گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز کمرے میں گونجی۔ اور عابد اس کے دھوئیں کے کثیف بادلوں میں کہیں گم ہو گئے۔

یومِ مقررہ پر میں عابد کے ہاں پہنچا وہ باہر برآمدے میں دھوپ کھا رہے

تھے وہی حقّہ پاس رکھا تھا۔ جس نے پہلے دن مجھے ان کے ہاں سے فرار کی ترغیب دی تھی۔ اور سامنے طالب علم قسم کے ایک نوعمر بزرگوار بیٹھے تھے۔ جن سے کسی ادبی پرچے کے محاسن و معائب پر بحث چل رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولے "حضرت اپنی غزل اندر سے فلاں کتاب پر سے اٹھا لائیے۔ میں نے رات اسے دیکھ لیا۔" میں اندر سے کاغذ کا پرزہ لے کر باہر آیا تو عابد نے کہا "ذرا پڑھئے۔" میں نے مطلع پڑھا بولے "اگر کوئی معنی لکھتے وقت آپ کے ذہن میں تھے۔ تو وہ بتلا دیجئے۔ ان اشعار میں تو الفاظ کے سوا کچھ نہیں۔" میں نے معنی بتلائے۔ کہا "یہ معنی آپ کے ذہن میں تو ہوں گے۔ آپ کے شعر میں ان کا شائبہ تک نہیں۔ آگے چلئے۔" میں نے دوسرا شعر پڑھا۔ کہنے لگے "شعر کے مصرعے دو لخت ہیں۔ آپس میں لگا نہیں کھاتے۔" تیسرا شعر پڑھا۔ بولے "اس میں زبان اور محاورے کی دو فاش غلطیاں ہیں۔ آگے۔" میں نے چوتھا شعر پڑھا لیکن اب میں اپنے کلام کی کمزوری پر کچھ ایسی خفّت محسوس کر رہا تھا۔ کہ میں اس کے بارے میں عابد کی رائے معلوم کرنے کے لئے رُکنے کی بجائے سیدھا پانچویں شعر پر پہنچا۔ اور پھر جلدی جلدی میں نے باقی شعر سُنائے۔ اور پھر باقی اشعار اور آخر میں مقطع پڑھنے کے بعد میں نے نظریں کاغذ سے اٹھا کر عابد کے چہرے پر ڈالیں اُنہوں نے حقّے کی نَے اپنی طرف کھینچی۔ منہال کو ہاتھ میں لیا۔ مٹھی کے دھانے پر ہونٹ جما کر ایک کش لگایا اور حقّے کی گڑگڑاہٹ ہتھوڑے کی طرح میرے دماغ پر برس گئی۔ پھر دھوئیں کو فضا میں اڑاتے ہوئے بولے "میاں صاحبزادے اگر شاعری لطافتِ جذبات کے اظہار ہی کا نام ہے اور اس اظہار کی جدّت ہی وہ معیار ہے۔ جو ایک شاعر کو متشاعر

سے ممیز کرتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں آپ کو اتنی طویل مشق کی ضرورت ہوگی۔ کہ اس فنِ شریفہ پر وقت ضائع کرنے کا آپ کو میں کبھی مشورہ نہیں دے سکتا۔ زیادہ اچھا ہوگا کہ آپ نثر کی طرف توجہ دیں۔ یوں آپ کہیں تو میں آپ کو ساری غزل پھر سے لکھ کر دے سکتا ہوں۔ مگر یہ طریقِ اصلاح مجھے قبول نہیں۔ نہ آپ کو اسے اپنے لئے قبول کرنا چاہئے"۔ اور میں نے خفت کے عالم میں اُن صاحب پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر دوڑائی جو عابد کے سامنے بیٹھے تھے۔ اور جن سے عابد نے بعد میں میرا تعارف قیوم نظر کہہ کر کرایا۔ میں نے دیکھا یہ حضرت بڑے اطمینان اور فاتحانہ انداز سے یوں زیرِ لب مسکرا رہے تھے۔ گویا عابد کا مشورہ اگر ان ہی کا مرہونِ منت نہیں تو اس میں برابر کے شریک ضرور ہیں۔

قیوم نظر کے سامنے میرے ادبی وقار کو ٹھیس لگی شاید اسکا احساس تھا یا یہ خیال کہ جس واحد شخص سے میں نے اپنے شعری ذوق کی تربیت کے لئے درخواست کی تھی۔ جب اسی نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو کس برتے پر تتا پانی کہ میں بجھے ہوئے دل کے ساتھ گھر آیا، اپنی غزلیات، اور نظموں کا پلندہ نکالا۔ اُن پر حسرت سے ایک آخری نظر ڈالی اور پھر اُنہیں نذرِ آتش کر دیا۔ وہ دن جاتا ہے اور آج کا دن۔ میں نے پھر کبھی ایک مصرع تک موزوں کرنے کے لئے طبیعت پر زور نہیں دیا۔ اور یوں شعر گوئی میری ادبی زندگی سے ہمیشہ کے لئے ختم ہوئی۔

یہ عابد سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اور میں اس کے دُور رس نتائج پر غور

کر ہی رہا تھا کہ میرے ساتھی عابؔد کی تصنیفات کی نقول اٹھوا کر میرے کمرے میں آئے۔ یہ کوئی ستّر مسودے تھے جن کا پشتارہ انہوں نے تین جگہ تقسیم کر رکھا تھا اور جب وہ انہیں میرے پاس چھوڑ کر چلے گئے اور میں نے انہیں اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ عابؔد کے پاس اتنا وافر وقت کہاں سے آگیا تھا کہ وہ اپنی جملہ مصروفیات کے باوجود ریڈیو کے لئے اتنی چیزیں لکھ سکے۔ اور پھر انہیں کو دیکھتے ہوئے پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہُوا۔ کہ ان کی تحریروں کے موضوعات کس قدر مختلف النّوع اور ان کی دلچسپیوں کے عنوان کتنے گوناگوں تھے۔ ادبی تنقید سے لے کر سراغ رسانی کے افسانوں تک وہ ہر قسم کے مضامین پر قلم اٹھا چکے تھے۔ اور اس تضاد کے درمیان انہوں نے ریڈیو کی کم و بیش دس مختلف اصناف پہ طبع آزمائی کی تھی۔ ریڈیو پر ستّر اتنی مسودے وہی شخص پیش کر سکتا ہے۔ جس کی تحریر کے لئے سامعین میں اس قدر مانگ ہو۔ اور یہ مانگ کیوں تھی۔ محض عابؔد کی اس مخصوص طرزِ نگارش کی وجہ سے جو ریڈیائی ادب میں ایک بالکل نئی چیز تھی۔ اور اس طرزِ نگارش کی تخصیص کیا تھی؟ حقیقی جذبات۔ سادہ بیانی اور منطقی اختصار کے ساتھ صحیح الفاظ کے ترنم کی آمیزش جس سے تخیلی تصویریں بے جان نقوش معلوم نہ ہوں۔ بلکہ جیتے جاگتے اور ہنستے بولتے کردار بن جائیں۔ عابؔد کے مسودات کو دیکھتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا کہ عابد کی ریڈیائی تحریریں درحقیقت اس وجہ سے بہت کامیاب ہوئیں کہ وہ ایک ایسے کہنہ مشق شاعر تھے جو صحیح الفاظ کے انتخاب اور ان کے مناسب استعمال پر ہمیشہ بہت اہتمام کرتے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنی اکثر ریڈیائی تحریروں پر

اتنی ہی محنت کی ہے جتنی اپنی بعض بہترین غزلوں پر۔

مسودات کے مطالعہ پر مزید چوبیس گھنٹے گذر گئے۔ اور ایسے عالم میں کہ میں ابھی اپنے ذہن میں مطلوبہ مضمون کے لئے خاکہ تیار ہی کر رہا تھا۔ کہ میرے کمرے میں پھر میرے رفقار کار داخل ہوئے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ مگر ان میں سے ایک نے پھر مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اور میری اذیت کو ختم کرنے کے لئے آہستہ سے کہا۔ "پروفیسر صاحب نے اپنی سخت جانی سے ایک دفعہ پھر مرض کو شکست دیدی ہے۔" مجھے یوں محسوس ہوا گویا میں نے ہمالیہ کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ اور وہ وہاں سے سرک گیا ہے۔

اور پھر ہفتہ دس دن کی بات ہے۔ اچانک رات کو ایک ٹیلیفون آیا میں نے اٹھایا تو عابد تھے۔ کہنے لگے۔ "مرنے سے پہلے میں نے اپنے کلام کو خود اس خیال سے یکجا کر دیا ہے کہ تم ایسے شاگرد و اُستاد کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کر دیں پبلشر مقدمہ کا تقاضا کر رہا ہے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ یہ مقدمہ تم لکھو گے"۔ اس مشورے پر میں کچھ بھونچکا سا رہ گیا۔ اور میں نے حد درجہ بے اعتباری کے عالم میں پوچھا۔ "پروفیسر صاحب کچھ خبر ہے آپ کس سے بات کر رہے ہیں میں محمود نظامی بول رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔ "ہاں میں جانتا ہوں میں کس سے خطاب کر رہا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ کیا مطالبہ کر رہا ہوں۔ پبلشر نے صرف مقدمے کو کہا تھا۔ لیکن یہ میری خوشی ہے کہ یہ مقدمہ تم لکھو محمود تمہاری بات سے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تم نہیں چاہتے کہ میرے دل کی یہ خوشی پوری ہو۔" —— اس اندازِ گفتگو نے صرف ایک لفظ جواب کے لئے میرے

حافظے میں باقی رہنے دیا۔ اور جب میں نے "بہتر" کہہ کر ٹیلیفون بند کیا تو یک لخت مجھے یوں محسوس ہوا گویا ہمالیہ پھر میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا ہے۔

رات کی خاموشی اور سکون میں جب خیالات کی دنیا بیدار ہوئی تو سب سے پہلا احساس جو کوڑے کی طرح میرے دماغ پر برسا ملامت کا تھا۔ اس حقیقت کے اعتراف پر مجھے خجالت محسوس ہو رہی تھی۔ کہ مقدمے کے سلسلے میں اپنا نام سُن کر عابد کے سامنے میں نے اچنبھے کا جو اظہار کیا تھا۔ وہ دراصل لکھنے پڑھنے سے عاری طبیعت کا محض ایک بہانہ تھا جو اس نے صورتِ حال سے فرار کی خاطر تراشا تھا۔ ورنہ یہ بات تو عین عابد کی طبیعت کے مطابق تھی۔ کہ ایک ایسے شخص کو جس کی ادبی دنیا میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ اِس ارادے سے ایک اہم ادبی کام کے لئے چُنا جائے۔ کہ اِس سے شاید اسے اَدبی کام کی پھر سے ترغیب ہو سکے۔ اِس میں ادیب اور غیر ادیب کا سوال سرے ہی سے خارج از بحث تھا۔ مگر میں شاید چند ساعتوں کے لیئے یہ بات غیر شعوری طور پر نظر انداز کر گیا تھا کہ ادب کے معاملے میں عابد نے کبھی کسی کی بزرگی یا خوردی کو اپنی رائے پر اثر انداز ہونے نہ دیا تھا۔ متقدمین یا معاصرین سے اثر پزیر ہونا تو ایک عام بات ہے لیکن میں نے عابد کی انفرادی طبیعت کا یہ جوہر خاص بھی دیکھا ہے کہ اگر انہیں اپنے متبعین اور شاگردوں ہی کی کوئی بات پسند آگئی ہے تو انہوں نے اعترافِ حُسن میں اِس سے بھی اثر لیا ہے۔ عابد کی مجالس میں بیٹھنے والے حضرات کے نزدیک یہ بات کبھی تعجب کا موجب نہیں بن سکی۔ کہ اگر شاگرد کی غزل کا کوئی

شعر عابد کو چونکا گیا ہے تو انہوں نے اسی کی زمین میں خود غزل کہی ہے۔ اور پھر سب سے پہلے اسی شاگرد کو لطف لے لے کر خود سنائی ہے۔

عابد کی مجالس کا خیال آتے ہی دھیان کی لہریں تصور کو بہا کر کہیں سے کہیں لے گئیں۔ اور میں ایک دفعہ پھر اسی بھولی بسری دنیا میں جا پہنچا جس کی رنگینی اور حرارت میرے استادوں کے دم قدم اور بزم آرائیوں سے تھی۔ اور میری نظر میں وہ دل کش اور دلفریب صحبتیں گھومنے لگیں جو برسوں پہلے اچھے سمے میں تاثیر، عابد، حسرت، اور تبسم کے مکانوں پر شام کو جما کرتیں اور جن میں تربیت ذوق اور اکتساب علم کے لئے لاہور کے کالجوں کے اساتذہ نوجوان ادیب و شعراء اور ادب پسند طلبہ بے تکلف دوستوں کی طرح بڑی رغبت سے جمع ہوتے گفت و شنید۔ نقد و نظر اور بحث و تمحیص کا ہنگامہ بپا ہوتا۔ استاد اور شاگرد بے تکلفی سے علمی اور ادبی تحریکات سے لے کر جنسی نظریات تک ہر موضوع اور مسئلے پر نہایت دلجمعی کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے۔ اور اس طرح دقدرت اور بے تکلفی میں اساتذہ اور طلبہ اپنے اپنے منصب اور اپنی اپنی حیثیت کو یوں برقرار رکھتے کہ غل غپاڑے۔ شور و شغب۔ قہقہے اور گپ کے باوجود ان صحبتوں کی افادی غایت کو ایک ساعت کے لئے صدمہ نہ پہنچ سکتا۔ اور پھر میں سوچنے لگا کہ وہ وقت بھی کیا تھا۔ جب ان مخصوص مجالس اور صحبتوں نے لکھے پڑھے لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کو کسی خاص اہتمام کے بغیر کچھ یوں ادب کی لذت سے شناسا اور علم کے فیض سے بہرہ ور کر دیا تھا کہ ملک میں خود بخود وابستگانِ ادب کی ایک ایسی جہاں جماعت

وجود میں آ گئی تھی - جو خود شاعر یا ادیب نہ ہونے کے باوجود اپنے صحیح مذاقِ سخن اور نفیس ذوقِ ادب کی وجہ سے اُس عہد کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کی روحِ رواں تھی - اور مجھے خیال آیا کہ ان صحبتوں کے ختم ہو جانے سے ہمارے ادب کو کس قدر نقصان پہنچا ہے - اور ادب نواز اور ادب پسند نوجوانوں کی اتنی بڑی جمعیت آج کس طرح اس بنیادی تربیت سے یکسر محروم ہو گئی ہے - جس کی تکمیل ہی سے ذہنوں اور ذہنیتوں کو وہ جلا ملتا تھا - جو اُلٹی سیدھی کتابوں کے مطالعے اور قہوہ خانوں کی سیر سے میسّر نہیں آ سکتا - میں سوچنے لگا کہ آج ہماری ادبی مجالس اور مشاعروں میں ہڑبونگ کے جو افسوسناک مظاہرے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں - کیا ان کی ایک وجہ یہ نہیں کہ ان مجالس اور مشاعروں میں شریک ہونے والے نوجوانوں کی ایک بھاری اکثریت اس تمدن کے اصل پس منظر اور حقیقی ماحول سے بڑی حد تک بے گانہ ہے - جس کے اثر نے ہمارے اصناف ادب کی طرح رکھی تھی - اور جسکی روایات کی جملہ جزئیات کی وضاحت کے لئے آج کی نئی پود کو کوئی تاثیرؔ - کوئی عابدؔ - کوئی حسرتؔ کوئی تبسمؔ میسّر نہیں آخر واعظ محتسب، دشنہ و خنجر - برق و نشیمن کی تلمیحات کو نہ سمجھنے والے اُن اشعار کو کس طرح اور کیونکر سمجھیں - جن میں اظہارِ خیال کے لئے ان الفاظ سے سہارا لیا گیا ہو؟ اور اگر ان اشعار کے معانی کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے آمادۂ فساد ہوں تو قصوروار کسے ٹھہرایا جائے؟

اور پھر ان صحبتوں کی افادیت پر غور کرتے ہوئے خود مجھے پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ اگر میں نے شاعر عابدؔ، ادیب عابدؔ، نقاد عابدؔ، فنکار عابدؔ، معلم عابدؔ، مجلسی عابدؔ غرضیکہ پروفیسر عابد علی عابدؔ کے جملہ مظاہر کو ان کی تمام تر قابلیتوں سمیت کبھی یک جا

دیکھا ہے۔ تو صرف ان صحبتوں میں جو مجھے ان کے گھر میں میسر آئی ہیں۔ یہیں میں نے ان کی طبیعت کی اس ولولہ خیزی اور ہنگامہ پروری کا مشاہدہ کیا ہے۔ جس نے خود مجھ میں زندہ رہنے کی تڑپ اور زندگی کی مٹتی ہوئی حرارت کو برقرار رکھنے کی امنگ پیدا کی ہے اور پھر یہیں میں نے عابد کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کو ایسی حسین کیفیت میں پایا ہے کہ کبھی تو ان کے تصادم سے خود میری اپنی صلاحیتیں چمک اٹھی ہیں۔ اور کبھی ان کے مشاہدے سے مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے گویا عابد اپنے ڈرائنگ روم میں نہیں بلکہ ایک تخئیلی کمرے میں بیٹھے ہیں جس کے دروازے کئی اور ایسے ملحقہ کمروں میں کھلتے ہیں۔ جن کی پیشانی پہ اصنافِ ادب کے جملہ نشان آویزاں ہیں۔ اور میں عابد کی معیت میں ان کمروں کی دید کا لطف اٹھائے چلا جا رہا ہوں۔ اور یہ سیر ختم نہیں ہو رہی۔ بلکہ اسے ختم کرنے کو جی نہیں مانتا۔

اور پھر میں سوچنے لگا کہ جہاں آج کے مالی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے پریشان حال اور پُر آشوب زمانے میں ہمیں پناہ اور فرار کیلئے ان صحبتوں کی اس قدر ضرورت تھی وہاں آج ہی وہ ہمیں کیوں میسّر نہیں آ رہیں۔ جب اس سوال کے جواب کے لئے میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ صورتِ حال کی ذمہ داری کسی حد تک زمانے ہی کی ابتری پر ہے لیکن فی الحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ہم میں سے وہ لوگ اُٹھ گئے ہیں جو محض مشرق و مغرب کی قابلیتوں کے جامع ہی نہیں تھے۔ بلکہ اپنی شخصیتوں کی وجہ سے ان صحبتوں میں بات کرنے کا وہ شعور اور سلیقہ بھی رکھتے تھے۔ جن سے ان کا افادی رنگ دوسرے ہر پہلو پر غالب آ جاتا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ

گو آج بھی لاہور میں ایسے متعدد اکابرین فن اور ارباب ادب موجود ہیں جن کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ شہر بدستور علم و ثقافت کا مرکز ہے لیکن اس میں اب کاروبار ادب کی وہ پہلی سی رونق جاتی رہی ہے جسے اسی شہر میں بسنے والے اُن چند ادیب ساز اور شاعر گر استادوں نے اپنے ذاتی کمالات سے پیدا کیا تھا۔ جن میں عابد ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

اور شخصیت کا خیال آتے ہی میرا دھیان اس شخص کی طرف گیا۔ جسے ہم سب عابد کے تخلص سے جانتے ہیں۔ اور میں سوچنے لگا کہ آخر اس شخص میں کیا بات تھی۔ جو ہم سب کو کھینچ کر اُس کے ہاں پہنچاتی تھی۔ اُس کا علم و فضل؟ تو پھر ان دوسرے ارباب فضیلت کے ہاں ہم کبھی کیوں نہیں گئے۔ جو اسی شہر میں پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں اُس کی ادبی وجاہت؟ تو پھر ان بیسیوں ادبا اور شعرا میں کیا کمی ہے جن کا کلام اور جن کی تحریریں ہم نے بارہا لطف لے کر پڑھی ہیں لیکن جن سے ملنے کی تحریک دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ اُس کی مجلس آرائی؟ مگر مجلسیں تو سادھوؤں کے "تکیوں" میں بھی لگتی ہیں اس کی مہمان نوازی؟ تو پھر لاہور کے اُن قہوہ خانوں میں کیا قباحت ہے۔ جہاں ادبی گپ سننے کے لئے لوگوں کے کان اور جیبیں ہر وقت حاضر رہتی ہیں۔ تو پھر عابد کی شخصیت کا کونسا ایسا رُخ تھا جس نے ادیبوں کی ایک پوری جماعت کو اس کا ایسا گرویدہ بنا رکھا تھا کہ وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اس سے متاثر رہے تھے۔ عابد کی شخصیت کو ایک مرتبہ پھر ٹٹولنے کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا۔ کہ شاید یہ اُس کے ذہن اور دل کا حد درجہ مشرقی ماحول اور اقدار سے اس کی والہانہ وابستگی تھی۔ جس نے اس کے دماغ دل اور روح میں وہ باتیں لا جمع کی تھیں۔ جن کی موجودگی سے ہمارے ہاں شخصیتیں پُرکشش

بنا کرتی ہیں۔ اور پھر جوں جوں میں نے غور کیا۔ مجھے معلوم ہؤا کہ اسکی فضیلت اس کی طرزِ فکر و نگارش اس کے مذاق شعر و سخن اس کی مجلس آرائی۔ خوش گفتاری بذلہ سنجی۔ دوست نوازی ہر چیز پر یہی مشرقیت یہی مشرقی اقدار بدرجہ اتم چھائی ہوئی تھیں۔ جنہیں سامنے رکھ کر ہی ہم اس کی صحیح شخصیت اور اس کے کام کی اصل نوعیت کو سمجھ سکتے۔ اگر اپنی وسیع ادبی دسترس کے باوجود عابد کوئی ایسا انقلابی شاعر نہیں بن سکا۔ جو ہماری شاعری کی قدیم روایات کو غیر ملکی شاعری کی بدیشی روایات سے تہ و بالا کرنے کا عزم کرتا۔ تو کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خالصتاً ایسا مشرقی شاعر ہے۔ جس کی ادبی روایات کسی فردِ واحد کی شخصی تجویز کا شاخسانہ نہیں بلکہ ایسی طبیعتوں کے اسلوب کار اور طرزِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ جو صدیوں سے ایک مخصوص تمدن کے انفرادی ماحول میں پلتی اور پروان چڑھتی رہی ہیں؟ چنانچہ گو عابد کے فنی ادراک اور ادبی استعداد کو مغربی آراء افکار کے طویل مطالعہ نے بہت متاثر کیا ہے۔ لیکن اس کے مذاقِ شعر کو سنوارنے کا کام اس کلاسیکی ادب نے کیا ہے جو رودکی سے لے کر اقبال تک کی تصنیفات کی صورت میں اُسے اپنے ادبی ورثے میں ملا ہے یہی وجہ ہے کہ پُرگو اور مشاق اور بالغ نظر شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی طبیعت کا زور ہمیشہ غزل کی شاعری میں دکھایا ہے۔ اور پھر جب مجھے اس بات کا احساس ہؤا کہ عابد کی غزل ایک ایسی خاص طبیعت ایک ایسے خاص قلب کے عشق کی ترجمانی کرتی ہے۔ جس کے جذبات انہیں مشرقی قدروں سے بہرور ہیں جو ہم ایشیائیوں کی فطرت کا خاصا ہیں تو یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ کہ کیوں "د

کس طرح اس کا کلام مجھے ہمیشہ ایک ایسا نکھرا ہوا چشمہ نظر آیا ہے۔ جس میں میں نے ہمیشہ اپنا ہی چہرہ دیکھا ہے۔ اور اپنی ہی قلبی کیفیات کو عکس پذیر پایا ہے۔

انہیں خیالات میں وہ رات گذر گئی۔ اور پھر دوسرا دن بھی دفتری جھمیلوں کی نذر ہو گیا۔ تیسرے دن ایسے عالم میں کہ میں دفتر سے گھر کی طرف روانہ ہونے کے لئے پر تول رہا تھا۔ پبلشر نے مقدمے کی یاددہانی کے لئے ٹیلیفون پر پکڑ لیا کہنے لگے کاتب کہیں جا رہا ہے۔ مسودہ لا دیجئے۔ اور کل شام تک لا دیجئے۔ میں شاید معذرت کے ساتھ اس میعاد کو بڑھوا لیتا۔ لیکن اس مطالبے نے میری خودنمائی اور خودپسندی کو ایسی رشوت دی کہ میں نے اُسے قبول کر لیا۔ دل کہہ رہا تھا کہ پبلشر نے تمہیں اگر ایک زود نویس ادیب اور مشاق مصنف سمجھ لیا ہے تو اس خوش فہمی سے تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ تم آئندہ چوبیس گھنٹوں کے لئے ادیب اور مصنف بن جاؤ۔

میں نے قلم نکالا، کاغذ کا تختہ کھینچا اور لکھنے کے لئے طبیعت کو آمادہ کرنے لگا۔ لیکن پھر یک لخت خیالات کی دُنیا گویا جاگ اُٹھی۔ اور میرا دھیان اُس روش عام کی طرف چلا گیا۔ جو اب ہماری شاعری کی کتابوں کے دیباچوں اور مقدموں کے لئے مخصوص ہو چکی ہے۔ مجھے دکھائی دینے لگا۔ کہ اب ہمارے ہاں شاعر کے کلام پر دیباچہ لکھنے کا عام طریق یہی رہ گیا ہے کہ شاعری کی کچھ مشرقی اصطلاحات اور مغربی ارباب ادب کے چند آرا، و افکار کا ذکر کرنے کے بعد زیرنظر کلام کے نمونے دکھا کر چلتے چلتے کردار اور شخصیت کے فرق کو جانے بغیر شاعر کا

کا مفروضہ تجزیہ نفسی بھی کر دیا جائے۔ اور پھر آخر میں تقریظی کلمات لکھ کر جان چھڑا لی جائے۔ در اصل جس دن بجنوری نے غالب کو مغربی اساتذہ کے ہم پہلو دکھانے کے لئے اسے اس کے ہم وطن شعراء سے ہٹا کر ایک نئے انداز نقد کی طرح ڈالی تھی۔ اسی دن ہمارے لئے یہ لازم آ گیا تھا۔ کہ ہم اپنے ہر شاعر، اپنی ہر ادبی تصنیف کو جانچنے کے لئے اسے ایک خاص مقرر کئے ہوئے اصول ایک خاص تجویز کئے ہوئے طریق سے دیکھیں۔ اور یوں دیسی جنس کو بدیشی معیار پر پورا اتارنے کے ساتھ ساتھ بجنوری ہی کے اتباع میں جس نے اپنے محاکے میں چھوٹتے ہی کہا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب دیباچے میں زیر نظر کلام کے متعلق ایک نئی بنائی رائے ضرور پڑھنے والے کے منہ پر یوں دے ماریں کہ وہ خود سے شاعر کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکے جب یہ طے ہے کہ شاعری جیسی وجدانی اور ذوقی شے کے لئے پڑھنے والے کی طبیعت ہی معیار ہوتی ہے۔ اور ہر شعر کی اچھائی یا برائی کے متعلق ذاتی آراء میں اسی قدر اختلاف ہو سکتا ہے۔ جس قدر مختلف طبائع میں تو پھر ایسی بحث کی آخر ضرورت کیا ہے۔ جس کے بعد بھی رائے ترمیم اور تردید کے لئے پہلے کی طرح کھلی رہے؟ میں سوچنے لگا کہ اگر اسی روش عام پر چلوں تو پھر عابد کی غزل ہی کے بارے میں جو کچھ میں سمجھتا ہوں اس کا اظہار دیوں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ حالی نے اپنے مقدمے میں اپنے زمانے کی غزل کے خلاف ایک آواز بلند کی تھی۔ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا وہ انفعالی رنگ میں ردِ عمل کے طور پر اس شعر کی تنقیص تھی جو محض ہوسناکی

کا آلہ کار بن چکا تھا۔ اس آواز کی تائید میں ایک نئی تحریک چلی۔ جسکے ہیروؤں میں سے بعض نے غزل کو انحطاطی شاعری کا بدترین نمونہ قرار دے کر سرے سے ٹکسال باہر ثابت کرنے کی سعی کی۔ اس خیال کے حامیوں سے میں اس بحث میں نہیں اُلجھتا۔ کہ یہ صنفِ سخن کوئی مفید شے ہے یا دور از کار۔ البتہ یہ سوال ان سے ضرور کروں گا۔ کہ اگر غزل ایسی ہو سکتی ہے جیسی عابد نے لکھی ہے۔ تو پھر اسے ترک کیا جائے تو آخر کیوں؟ لیکن ظاہر ہے کہ عابد کو اس رائے کی احتیاج ہے نہ قاری کو اس کی ضرورت اور نہ خود مجھے اسکے اظہار کی آرزو۔

میں غور کرنے لگا، کہ جب مجھے عابد کے کلام کی فنی حیثیت پر کچھ کہنا نہیں ہے۔ تو پھر ان کی شخصیت کے کن ایسے پہلوؤں کا ذکر کرنا ہے۔ جن کا اظہار ان کے کلام کا مطالعہ کرنے والے کے لئے مفید طلب ہو سکے۔ کچھ غور و فکر کے بعد مجھے سجھائی دینے لگا۔ کہ میں اپنے مضمون میں اس پس منظر کا نقشہ کھینچوں جس میں عابد کو اظہار جذبات کے لئے شعر کی تحریک ہوئی۔ اس ماحول کی تفصیلات بیان کروں جس میں ان کی شاعری پروان چڑھی۔ ان کے ان میلانات رجحانات اور ادبی اقدار کی وضاحت کروں۔ جو ان کی نگارشات پر ہمیشہ حاوی رہیں۔ اور پھر۔۔۔

اور پھر یک لخت میری طبیعت نے پلٹا کھایا۔ ہاتھ قلم کی طرف جانے کی بجائے ٹیلیفون پر پہنچا۔ اور جیسے ہی دوسری طرف سے پبلشر کی آواز میرے

کان میں آئی۔ میں نے کہا حضرت پندرہ منٹ پہلے میں نے آپ سے کہا تھا۔ کہ مقدمہ کل شام تک آپ کو مل جائے گا۔ اب مجھے یہ کہنا ہے کہ یہ مقدمہ نہیں پہنچے گا۔ اگر میں عابد کو جانتا ہوں تو وہ میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ کہ ان کے مجموعۂ کلام کو مقدمے کی ضرورت نہیں۔ یہ کلام کسی زمانے میں انہوں نے اپنے لئے یا اپنے احباب کے لئے کہا تھا۔ لیکن اب جو اس کی اشاعت و تشہیر کا اہتمام کیا جا رہا ہے تو یہ اب اہلِ ملک کی ملکیت ہے۔ اور اس کا معاملہ اب انہیں پر چھوڑ دینا چاہیے ؏

۱۷ نومبر ۱۹۵۴ء

ریڈیو پاکستان لاہور

یک چمن گل

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء

تک کی غزلیات

۱

گورا گورا ان کا چہرہ پھول سا مہتاب سا
اے شبستانِ تمنّا دیکھتا ہوں خواب سا

مردہ و افسردہ و آزردہ ہے تیرے بغیر
وہ دلِ وحشی کہ تھا اِک پارۂ سیماب سا

ہمنشینو آج بھی آنکھوں میں کٹ جائیگی رات
شام سے ہے میرا دل آشفتہ و بیتاب سا

لاکھ دھندلایا ہؤا ہے لاکھ گھبلایا ہؤا
میرے سینے میں بھی اِک موتی تو ہے نایاب سا

۲

حدِ افق تک پھیلا ہوا تھا دشتِ غمِ دل
رک رک کے مجھ کو چلنا پڑا تھا منزل بہ منزل

چپ چاپ بیٹھے سب سن رہے تھے، سر دھن رہے تھے
زندانیوں کو خوش آ گیا تھا شورِ سلاسل

دریا کی صورت اچھی نہیں تھی کشتی نہیں تھی
غرقابِ غم تھے یا ناخدا تھا ساحل بہ ساحل

ہم سرپھروں کا اللہ والی، اے ظرف عالی
مرنا بُرا تھا بے شک بُرا تھا جینا ہے مشکل

تصویرِ لیلیٰ ہو و رج نشیں تھی لیلیٰ نہیں تھی
ذوقِ تماشا کیا جھانکتا تھا محمل بہ محمل

اس نے کہا تھا مجھ سے ملا کر، اے دل حیا کر
تو نے اٹھا کر کیوں پی لیا تھا زہر ہلاہل

کل ان سے مِل کر دل کے افق سے شعلے نہ لپکے
میرا تخیل طے کر چکا ہے سارے مراحل

اہلِ نظر کی دُنیا جُدا تھی، سنگی نہ ساتھی
خود ان کا رستہ ہوتا رہا تھا رستے میں حائل

ہر نقش فانی، ہر بات آنی، غم جاودانی
تو جانتا تھا، تو دیکھتا تھا، اے ربِ عادل

آنکھوں میں جلوے سینوں میں نغمے سوئے ہوئے تھے
ہاں ایک عابدِ رنگیں نوا تھا محفل بہ محفل

---

(۳)

غمِ دوراں غمِ جاناں کا نشاں ہے کہ جو تھا
وصفِ خوباں بحدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

لذّتِ عرضِ وفا راحتِ جاں ہے کہ جو تھی
دلِ تپاں اشک رواں شوق جواں ہے کہ جو تھا

شرع و آئین کی تعزیر کے باوصف نیاز
لب و رخسار کی جانب نگراں ہے کہ جو تھا

پردۂ شرم کی زنجیر کے ہوتے ہوئے ناز
سرِ بازارِ وفا جلوہ کناں ہے کہ جو تھا

عادتِ بادہ کشی رہن سزا ہے کہ جو تھی
نفسِ بادہ کُشاں مُشک فشاں ہے کہ جو تھا
گرچہ مدّت سے نہیں سامنے وہ آئینہ رو
میرے دل پر وہی حیرت کا سماں ہے کہ جو تھا
عشق کی طرزِ تکلّم وہی چپ ہے کہ جو تھی
لبِ خوش گوئے ہوس محوِ بیاں ہے کہ جو تھا
میرے پاؤں میں ہیں اُلجھے ہوئے ریشم سے تار
ہم دمو، یہ تو وہی بندِ گراں ہے کہ جو تھا
شررِ شعلہ پہ ہے لالہ و گل کا دھوکا
سیلِ آتش پہ بہاراں کا گماں ہے کہ جو تھا
خاک آلودہ ہے گل، غرقہ خوں ہے بلبل
یہ چمن غمکدہ تو حہ گراں ہے کہ جو تھا
شمعِ روشن کی سرِ بزم ضیا ہے کہ جو تھی
شمعِ کشتہ کا سرِ گور دھواں ہے کہ جو تھا

مُغ بچے خوش ہیں کہ بزم ان کی ہے ساقی اُن کا
بر سرِ کار وہی پیرِ مُغاں ہے کہ جو تھا

تاب لا کہ غمِ ہجراں کی ہوا ہیں بدنام
ان کو اب تک مرے جینے کا گماں ہے کہ جو تھا

شوکتِ مسندِ پرویز عیاں ہے کہ جو تھی
نکتۂ محنتِ فرہاد نہاں ہے کہ جو تھا

سنگِ طفلاں سے ذرا بچ کے رہے قصرِ بلند
یہ وہی کارگہِ شیشہ گراں ہے کہ جو تھا

جلوۂ یار سے کیا شکوۂ بے حجابی کیجے
شوقِ دیدار کا عالم وہ کہاں ہے کہ جو تھا

میرے ہنسنے پہ خفا تھے مرے رونے پہ ہنسے
وہی رنگِ ستمِ عشوہ گراں ہے کہ جو تھا

حلقۂ وعظ سے اب تک ہے گریزاں دُنیا
حلقۂ زلف مدارِ دو جہاں ہے کہ جو تھا

رہگذاروں کے صنم رہزنِ دیں ہیں اب تک
وہی اسلوبِ جہاں گذراں ہے کہ جو تھا
دوستو ہم تفسو سنتے ہو عابد کی غزل
یہ وہی شعلہ نوا سوختہ جاں ہے کہ جو تھا

---

(۴)

مثلِ شعارِ مہر فسوں کار ہے بہار
زنداں کے بام و در سے نمودار ہے بہار

پیہم زمین باغ سے اُٹھتی ہے موجِ رنگ
پیہم ردائے خاک پہ گل کار ہے بہار

گلچیں نظامِ صحنِ گلستاں سے ہوشیار
نرگس اسیرِ خواب ہے بیدار ہے بہار

پوشیدہ ہے گلوں سے مقامِ چمن طراز
خونِ چمن طراز سے گلنار ہے بہار

آوارہ ہیں فضا میں طیورِ غزل سرا
اِس پار ہے بہار نہ اُس پار ہے بہار

اے دوست موجِ رنگ سے بنتے نہیں چمن
اے دوست موجِ خوں کی طلبگار ہے بہار

اب رازدارِ آتشِ گل ہیں چمن چمن
اب شعلۂ نوا میں شرربار ہے بہار

نوکِ زبانِ خار کی دیکھی نہیں ادا
غافل کو وہم ہے گل و گلزار ہے بہار

وہ میرے ساتھ صحنِ گلستاں میں ہیں رواں
چپ ہیں طیور نقشِ بدیوار ہے بہار

فیضِ قدومِ یار سے اُٹھتی ہے موجِ رنگ
اے باغباں حنائے کفِ یار ہے بہار

کیفیتِ نشاط بھی ہے اِک مقامِ شوق
سرمست ہے نگار نہ سرشار ہے بہار

عابدؔ وہ میرے شعر میں روشن ہے آج کل
جس حرفِ آتشیں کی خریدار ہے بہار

(۵)

آج وا ہو درِ زنداں تو مزا آ جائے
پھر عنادل ہوں غزل خواں تو مزا آ جائے
عام ہو فیضِ بہاراں تو مزا آ جائے
چاک ہوں سب کے گریباں تو مزا آ جائے
گردشِ جام صفت بازپسیں تک پہنچے
یوں ہوائے گردشِ دوراں تو مزا آ جائے
بزم ان کی ہو شراب اُن کی ہو، ساقی اُن کا
یہ جو ہو منصبِ رنداں تو مزا آ جائے
کُشتۂ ناز کے سینے میں سلگتی ہے جو آنچ
وہی بن جائے چراغاں تو مزا آ جائے

ناصحوں نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
آئے وہ دشمنِ ایماں تو مزا آجائے

کسی گستاخ پتنگے نے سرِ بزم کہا
شمع بھی ہو جو پر افشاں تو مزا آجائے

واعظو میں بھی تمہاری ہی طرح مسجد میں
بیچ دوں دولت ایماں تو مزا آجائے

ہم دمو، ہم نفسو، ہمسر گرو، دیدہ ورو
سب چلیں تا درِ زنداں تو مزا آجائے

اس کے باوصف کہ پابندِ سلاسل ہے نسیم
مہک اٹھے جو گلستاں تو مزا آجائے

آپ کو پاکئ داماں کا بڑا دعوے ہے
نہ دُھلے خونِ شہیداں تو مزا آجائے

کسی دیوانے کی تربت کا غبار گستاخ
تھام لے دامنِ سلطاں تو مزا آجائے

شرع و آئین کے خم و پیچ ہیں، سبحان اللہ
شیخ ہوں دست و گریباں تو مزا آ جائے

کیسی کیسی ہے شبِ تار یہاں جلوہ افروز
صبح اِک روز ہو خنداں تو مزا آ جائے

تم نے کچھ شعلہ نوا دل کا تماشا دیکھا
داغ ہوں سب کے نمایاں تو مزا آ جائے

دولتِ درد ملی چند بلا کیشوں کو
اور یہ جنس ہو ارزاں تو مزا آ جائے

نقش بندوں کو ہے یہ ناز کہ چپ ہے تصویر
بول اُٹھے صورتِ بے جاں تو مزا آ جائے

زخمۂ ساز مرے ہاتھ سے چھینا تو نے
خود بہ خود تار ہوں لرزاں تو مزا آ جائے

ساقیا ہے تری محفل میں خداؤں کا ہجوم
محفل افروز ہو انساں تو مزا آ جائے

پھر سجاؤں غمِ جاناں سے غزل کے در و بام
بھول جاؤں غمِ دوراں تو مزا آ جائے

غمِ دوراں کے فسانے جو سنائے میں نے
خوش ہو وہ فتنۂ دوراں تو مزا آ جائے

اس کے باوصف کہ تھا گیسوئے ایام کا ذکر
اس کے گیسو ہوں پریشاں تو مزا آ جائے

آج ہر چند نہ تھا لعلِ سخنداں کا بیاں
داد دے لعلِ سخنداں تو مزا آ جائے

وصفِ خوباں کی جگہ سن کے حدیثِ دگراں
ہنس پڑے وہ شہِ خوباں تو مزا آ جائے

عاملِ شہر سمجھتا نہیں عابدؔ کا کلام
وہ سخن داں ہو مری جاں تو مزا آ جائے

---

(۶)

اپنی تجلّیوں سے معمور ہو گئے ہم
یا خاک رہگذر تھے یا طور ہو گئے ہم

یاروں کی تشنہ کامی زنداں میں یاد آئی
ساقی سے جام لے کر رنجور ہو گئے ہم

کیا واردات ہے یہ نازک سی بات ہے یہ
یا تھے مثال خارا یا چور ہو گئے ہم

ہم اور جا کے زلف ایام سے الجھتے
اے کاکلِ پریشاں مجبور ہو گئے ہم

یاروں نے دُشمنی کی، ہم نے خلوص برتا
کچھ دُور ہو گئے وہ کچھ دور ہو گئے ہم

محفل میں آخرِ شب اک بات کی کمی تھی
وہ بات ہم نے کہہ دی منصور ہو گئے ہم

(۷)

لب نوشیں پہ تبسم نگہ ناز کے ساتھ
اے فسوں ساز کیا سحر بھی اعجاز کے ساتھ

دل جو ہے صورتِ پروانہ پرافشاں میرا
اِک صدا اور بھی ہے ساز کی آواز کے ساتھ

کیا دل آویز تغافل ہے زہے عشوہ گری
کیا تبسّم ہے نگاہ غلط انداز کے ساتھ

اپنے شکووں پہ ہوئی مجھ کو ندامت آخر
ہو گیا دل بھی ترے لعل سخن ساز کے ساتھ

شانِ رحمت بھی دکھا اے چمن آرائے بہار
صحنِ گلشن بھی عطا کر پرِ پرواز کے ساتھ

تیرے بندوں کا خدایا کوئی پرساں نہ رہا
واعظ و شیخ بھی ہیں اس بتِ طنّاز کے ساتھ

جب ملا حکمِ رہائی تو پریشاں ہو کر
ہم کھڑے ہو گئے زنداں کے دربار کے ساتھ

شعر کے پردۂ اسرار میں عابدؔ امشب
بات کرتا ہوں کسی ہمدمِ دمساز کے ساتھ

---

(۸)

شوق سے خود جو مرے راہ نما ہوتے ہیں
مری قسمت کہ وہی آبلہ پا ہوتے ہیں

لفظ کی بزم پُرِ اسرار میں خوبانِ خیال
کبھی مستور کبھی چہرہ کشا ہوتے ہیں

شعر کے روپ میں ڈھلتے نہیں وہ ہنگامے
جو مری بزم تصور میں بپا ہوتے ہیں

اب یہ عالم ہے کہ مرنے پہ چلے آئیں جو دوست
وہ بھی منجملہ اربابِ وفا ہوتے ہیں

یہی بُت شب کے اندھیرے میں جو ہیں طالبِ شوق
یہی بت دِن کے اجالے میں خدا ہوتے ہیں

کوئی پروانوں کو سمجھاؤ کہ جلنے کے سوا
اور بھی چند مقامات وفا ہوتے ہیں

بادہ نوشی پہ مصر بادہ فروشی پہ خفا
محوِ حیرت ہوں کہ یہ لوگ بھی کیا ہوتے ہیں

شرع و آئین کی ہر اک آڑ میں کرتے ہیں سوال
یہ جو زرتار قباؤں میں گدا ہوتے ہیں

کیا بتائیں تجھے کیوں ہوتے ہیں اس بن بے چین
ناصحا تنگ نہ کر کہہ جو دیا ہوتے ہیں

مجھے بیتی ہوئی راتوں کی مہک آتی ہے
ہجر کے دن بھی تری زلفِ رسا ہوتے ہیں

لب سے ہوتی ہوئی آنکھوں میں ہنسی جاتی ہے
اے بتو پیار کے انداز جُدا ہوتے ہیں

مرے گلشن میں جو پابند قفس ہیں وہ طیور
دیدہ ور، شعلہ زباں نغمہ سرا ہوتے ہیں

نظر آتے ہیں جہاں خون کے دریا جاری
تہ میں دیوانوں کے نقشِ کفِ پا ہوتے ہیں

شعر سُن کر مرے ہنستے ہیں کہ عاشق ہے کہیں
یعنی خوبان ستم پیشہ بلا ہوتے ہیں

قرض جتنے غم دوراں کے ہیں مجھ پر عابدؔ
غمِ جاناں کے وسیلے سے ادا ہوتے ہیں

---

(۹)

دشتِ ایمن سے چلے کوئے بتاں تک پہنچے
تیرے دیوانے رموزِ دوجہاں تک پہنچے

بت کے راندے ہوئے اللہ کے ٹھکرائے ہوئے
آخر کار درِ پیرِ مغاں تک پہنچے

غم کو ہیں عار وہ آہیں کہ لبوں تک آئیں
دل پہ ہیں بار وہ شکوے کہ زباں تک پہنچے

مرحلے اور بھی ہیں جاں سے گزرنے کے سوا
عشق میں ہم نفسو کوئی کہاں تک پہنچے

ترے جلووں کی رسائی کا تماشہ دیکھا
منزلِ دل سے چلے منزلِ جاں تک پہنچے

کاروانِ غمِ دل دشتِ جنوں سے گزرا
آج ہم غایتِ عمرِ گزراں تک پہنچے

عشق کا ساتھ دیا صدق و یقیں تک آئے
عقل سے کام لیا وہم و گماں تک پہنچے

اہلِ منصب نے کیا کور نگاہوں کو سلام
اہلِ دل بارگہِ دیدہ وراں تک پہنچے

جن کو رہنا تھا رہے ہم سخنوں کے ہمراہ
جن کو جانا تھا گئے بزمِ شہاں تک پہنچے

مل گئیں سب حرم و دیر کی راہیں آ کہ
شکر صد شکر کہ ہم شہرِ مغاں تک پہنچے

رہ گئے یار قتیلِ غمِ دوراں ہو کر
ہم سے کچھ سوختہ جاں کوئے بتاں تک پہنچے

پھر بہار آئی کہ ناگاہ اسیرانِ غیور
ہمرہ شاخِ قفس برقِ تپاں تک پہنچے

کچھ کرو چارہ گرو دل کی گراں بانی کا
شیشہ ٹوٹے تو کفِ شیشہ گراں تک پہنچے

نہیں سچ ہے کہ رہا رنگِ تغافل یکساں
ہمیں چھوٹے کہ خموشی سے فغاں تک پہنچے

اپنے احوال مقامات سے ہیں واقف ہو ل
وہ تو حالات ہیں جو اہلِ جہاں تک پہنچے

خوش نوائی کی ملی داد کہ میرے اشعار
مہ وشاں کج کلہاں خوش نگہاں تک پہنچے

میں نے رسماً جو کیا عشقِ بتاں سے انکار
کیا تبسم لبِ لعلینِ بتاں تک پہونچے

میری آنکھوں سے گریزاں ہیں وہ جلوے اب تک
عکس جن کے مرے آئینۂ جاں تک پہنچے

دامنِ یار کی منزل سے گذر کر آخر
دستِ عشاق سرِ تاجوراں تک پہنچے

چاند اُترے مرے کاشانے میں عابدؔ کل رات
دیکھئے رات کی یہ بات کہاں تک پہنچے

---

(۱۰)

چین پڑتا ہے دل کو آج نہ کل
وہی اُلجھن گھڑی گھڑی پل پل
مرا جینا ہے سیج کانٹوں کی
ان کے مرنے کا نام تاج محل
یا کبھی عاشقی کا کھیل نہ کھیل
یا اگر مات ہو تو ہاتھ نہ مل
آ رہی ہے صدا پپیہے کی
جس نے سر پر اُٹھا لیا جنگل
کیا سہانی گھٹا ہے ساون کی
سانوری نار مدھ بھری چنچل

نہ ہوا رفع میرے دل کا غبار
کیسے کیسے برس گئے بادل

پیار کی راگنی انوکھی ہے
اس میں لگتی ہیں سب سریں کومل

بات نرمی سے یوں وہ کرتے ہیں
جیسے لہرائے ریشمی آنچل

بن پئے انکھڑیاں نشیلی ہیں
نین کالے ہیں تیرے بن کاجل

مجھے دھوکا ہوا کہ جادو ہے
پاؤں بجتے ہیں تیرے بن چھاگل

کبھی بدلا نہ کام دیو کا روپ
وہی سج دھج رہی وہی چھل بل

لاکھ آندھی چلے خیاباں میں
مسکراتے ہیں طاقچوں میں کنول

لاکھ بجلی گرے گلستاں میں
لہلہاتی ہے شاخ میں کونپل
کھل رہا ہے گلاب ڈالی پر
جل رہی ہے بہار کی مشعل

کوہکن سے مفر نہیں کوئی
بے ستوں ہو کہیں کہ بندھیاچل
ایک دن پتھروں کے بوجھ تلے
خود بخود گر پڑیں گے راج محل

میں نے ہائے جو کی وہ بات ہے اور
تیری چاہت میں جی نہ تھا بیکل

دمِ رخصت وہ چپ رہے عابدؔ
آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

(۱۱)

کاروانِ گل و ریحاں گذرے
صورتِ برقِ درخشاں گذرے

گردشِ جام نہیں رُک سکتی
جو بھی اے گردشِ دوراں گذرے

کیا بتاؤں کہ میری آنکھوں سے
کس قدر خواب پریشاں گذرے

مٹ کے بنتا رہا میں شکل حباب
دائیں بائیں مرے طوفاں گذرے

غم ہستی کے بیابانوں میں
کچھ ہمیں تھے کہ غزلخواں گذرے

صبح محشر ہو بلا سے ظاہر
کبھی صورت شبِ ہجراں گذرے

کوئی برسا نہ سر کشتِ وفا
کتنے بادل گہر افشاں گذرے

جان سے بھی وہ گذر جاتے ہیں
جن پہ اے ناصحِ ناداں گذرے

اے غمِ یار تری راہوں سے
عمر بھر سوختہ ساماں گذرے

وہ جو پروانے جلے رات کی رات
منزلِ عشق سے آساں گذرے

ابن آدم کو نہ آیا کوئی راس
کئی آذر کئی یزداں گذرے

غم کے تاریک افق پر عابدؔ
کچھ ستارے سرِ مژگاں گذرے

(۱۲)

جینے کا شعور جاں گسل تھا
یہ صورتِ وارداتِ دل تھی

پروانوں کو رات بھر جو روئی
روشن ہے کہ شمع موم دل تھی

یا سیلِ بہار سست رو تھا
یا نبضِ حیات مضمحل تھی

شکووں پہ مجھے بھی تھی ندامت
کچھ اس کی نگاہ بھی خجل تھی

دنیا کے لئے بنی وہ ٹھنڈک
سینے میں جو آگ مشتعل تھی

(۱۳)

محفل فروز جلوۂ جانانہ ہو چکا
دیوانہ دل کو ہونا تھا دیوانہ ہو چکا

سیکھے تری نگاہ سے آداب خامشی
اب مجھ سے کوئی نعرۂ مستانہ ہو چکا

بکسیں چمن میں پھول تو آتا ہے مجھ کو یاد
وہ موسمِ بہار، کہ افسانہ ہو چکا

اس بدنصیب کو کہیں ملتی نہیں پناہ
جو تیری بارگاہ سے بیگانہ ہو چکا

آیا ہمارے جینے کا انداز سب کو یاد
جب ذکرِ جاں نثاریٔ پروانہ ہو چکا

کچھ روز آستانِ در یار بھی سہی
عابدؔ طوافِ کعبہ و بُت خانہ ہو چکا

---

(۱۴)

بہر صورت یہ روشن ہے کہ پروانوں پہ کیا گذری
جنہیں جینا پڑا ان سوختہ جانوں پہ کیا گذری

سر محفل متاعِ دین و ایمان اس نے غارت کی
متاعِ دین و ایماں کے نگہبانوں پہ کیا گذری

شبستاں پر وہ گذری جو گذرتی ہے شبستاں پر
دیارِ ناز کے رنگیں صنم خانوں پہ کیا گذری

گرفتارِ تمنا تھے خدا جانے کہاں پہنچے
نہیں زنجیر بھی محرم کہ دیوانوں پہ کیا گذری

سکوتِ لالہ و گل سے نمایاں ہے کہ گلشن میں
سخن سنجوں پہ کیا بیتی غزل خوانوں پہ کیا گذری

غمِ جاناں کی راہوں میں جنہیں کل میں نے دیکھا تھا
غمِ دوراں بتا ان سوختہ جانوں پہ کیا گذری

ابھی سنتا ہوں میں کچھ اور دنیائیں بھی ہیں عابدؔ
معاذ اللہ اسی دنیا میں انسانوں پہ کیا گذری

---

(۱۵)

کیا مقام بلند رکھتا ہوں
میں دلِ درد مند رکھتا ہوں

چاندنی چاندنی ہے بزمِ خیال
مہوشوں کو پسند رکھتا ہوں

دِل میں ایسا ہے اِک مقام جہاں
سینت کر زہرِ خند رکھتا ہوں

نغمۂ رنگ، شعلہ آہنگ
شعبدے میں بھی چند رکھتا ہوں

حذر اے ساکنانِ بامِ بلند
آستین میں کمند رکھتا ہوں

مجھ پہ آسان ہے زندگی عابدؔ
طبعِ مشکل پسند رکھتا ہوں

(۱۶)

نشتر کی نوک دل میں اتارے چلے گئے
ہم یوں عروسِ غم کو سنوارے چلے گئے

آیا نہ ہاتھ گوشۂ دامانِ التفات
لیکن فقیر ہاتھ پسارے چلے گئے

قائم رہیں بوصفِ کرم بھی حدودِ ناز
دریا کے ساتھ ساتھ کنارے چلے گئے

دل کو تمہیں نے ہاتھ میں لے کر مسل دیا
ہم سادہ دل تمہیں کو پکارے چلے گئے

چلنا رہِ حیات پہ دشوار تھا مگر
تیرے متاعِ غم کے سہارے چلے گئے

آیا ترا خیال مٹے نقش ماسوا
ابھرا اُفق سے چاند ستارے چلے گئے

محفل کو ناگوار تھی عرضِ شکستِ دل
محفل سے اُٹھ کے درد کے مارے چلے گئے

ہاں اے زمینِ گورِ غریباں جواب دے
کیوں مجھ سے روٹھ کر مرے پیارے چلے گئے

عابدؔ زمانہ ہم کو مٹاتا چلا گیا
ہم نقشِ زندگی کو ابھارے چلے گئے

---

(۱۷)

یہ کیا طلسم ہے دُنیا پہ بار گذری ہے
وہ زندگی کہ سرِ راہگذار گذری ہے

کہیں سحر کا اُجالا ہُوا ہے ہم نفسو
کہ موجِ برق سرِ شاخسار گذری ہے

رہا ہے یہ سرِ شوریدہ مثلِ شعلہ بلند
اگرچہ مجھ پہ قیامت ہزار گذری ہے

یہ حادثہ بھی ہُوا ہے کہ عشقِ یار کی یاد
دیارِ قلب سے بیگانہ وار گذری ہے

گلوں کی خوں شدگی سے سُراغ ملتا ہے
کہیں چمن سے نسیمِ بہار گذری ہے

مقیمِ کوچۂ دلدار کو پتہ بھی نہیں
کدھر سے زندگی مستعار گذری ہے

انہیں کو عرضِ وفا کا تھا اشتیاق بہت
انہیں کو عرضِ وفا ناگوار گذری ہے

کبھی ہجومِ غمِ روزگار دیکھا ہے
کبھی مصیبتِ ہجرانِ یار گذری ہے

حریمِ شوق مہکتا ہے آج تک عابدؔ
یہاں سے نکہتِ گیسوئے یار گذری ہے

---

(۱۸)

سازِ ہستی کی صدا عرشِ بریں تک پہنچے
اے خوشا جنسِ امانت کہ امیں تک پہنچے

ہائے وہ شانِ تغافل کہ ہے مجھ سے مخصوص
ہائے وہ عرضِ تمنّا کہ تمہیں تک پہنچے

منزلیں اور بھی تھیں منزلِ جاناں کے سوا
ہم بہ محرومیٔ تقدیر وہیں تک پہنچے

ہاتھ میں مشعلِ خورشید جلو میں تارے
کس تکلف سے ہم اس ماہ جبیں تک پہنچے

اے خدا وہم غلط کار کو دے اذنِ جنوں
کہ خرد مرحلہ ذوقِ یقیں تک پہنچے

اپنی افتاد کی رُوداد یہ ہے اہلِ نظر
سوئے افلاک رواں تھے کہ زمیں تک پہنچے

ہم خراباتِ نشینوں کا وہ عالی ہے مقام
کہ جو کم ظرف رہے تخت و نگیں تک پہنچے

پہلے فردوس کی محفل سے نکالے گئے ہم
پھر تری محفلِ فردوس قریں تک پہنچے

دولتِ دیں پہ بہت ناز ہے مجھ کو عابدؔ
کاش یہ بات کسی دشمنِ دیں تک پہنچے

(۱۹)

چاند ستاروں سے کیا پوچھوں کب دن میرے پھرتے ہیں
وہ تو بچارے خود ہیں بھکاری ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں

جن گلیوں میں ہم نے سکھ کی سیج پہ راتیں کاٹی تھیں
ان گلیوں میں بے کل ہو کر سانجھ سویرے پھرتے ہیں

روپ سروپ کی جوت جگانا اس نگری میں جوکھم ہے
چاروں کھونٹ بگولے بن کر گھور اندھیرے پھرتے ہیں

جن کے شام برن سایوں میں میرا من سستایا تھا
اب تک میری نظروں میں وہ بال گھنیرے پھرتے ہیں

کوئی ہمیں بھی تو سمجھا دو ان پر دل کیوں ریجھ گیا
تیکھی چتوں بانکی چھب والے بہتیرے پھرتے ہیں

اِک دن اس نے نین ملا کے شرما کے منہ پھیرا تھا
تب سے سُندر سُندر سپنے من کو گھیرے پھرتے ہیں

اس نگری کے باغ اور بن کی یارو لیلا نیاری ہے
پنچھی ہیں سر پہ اٹھا کر اپنے بسیرے پھرتے ہیں

کیسے کیسے میٹھے بولوں سے ہم کو پرچاتے ہیں
کیسے کیسے بھیس بدل کر چور لٹیرے پھرتے ہیں

لوگ تو دامن سی لیتے ہیں جیسے بھی ہو جی لیتے ہیں
عابدؔ ہم دیوانے ہیں جو بال بکھیرے پھرتے ہیں

(۲۰)

رُخِ ماہتاب روشن لبِ لعلِ یار خنداں
کبھی لوٹ کے نہ آئی وہ شبِ نگار بنداں

میں کبھی غزل نہ کہتا! مجھے کیا خبر تھی ہمدم
کہ بیانِ غم سے ہوتا ہے شعورِ غم دوچنداں

مری کیا خطا ہے آخر مجھے کیا ہُوا ہے آخر
بہ ہجومِ چارہ سازاں، بہ گروہِ دردمنداں

مجھے زعمِ کج کلاہی، بہ جنابِ بادشاہی
مجھے دعوئ خدائی بہ حضورِ خود پسنداں

رہِ ماہ و مہر و انجم سے میرا جہاں ہے خالی
نہ نمودِ شامِ ظلمت نہ طلوعِ صبحِ خنداں

کبھی آئے وہ جو ملنے مجھے عاشقی سے رُکا
بہ سبیلِ غم گساری بطریقِ دردمنداں

سرِ شام کیا ستارے مرے غمکدے میں چمکے
کئی عنبریں کمنداں کئی گوہریں پرنداں

تری بے رُخی تبسّم، تیری خامشی تکلّم
تری ہر نگہ سخن گو، تری ہر ادا سخن داں

سرِ زلف عنبر آگیں۔ کفِ دستِ ماہ و پروین
شکریں ہے لعل رنگیں۔ گہریں ہے سلکِ دنداں

بہ عنانِ روزِ اشہب، بہ فسارِ شامِ ادہم
مجھے کھینچتا ہے کوئی پئے بادِ پا سمنداں

کوئی ہم زباں تو ہوگا، کوئی راز داں تو ہوگا
یہ غزل پڑھوں گا عابدؔ سرِ بزمِ ارجمنداں

(۲۱)

تمہاری چشمِ سخن ساز کے اشاروں پر
غزل کے طاق میں جادو جگا دیئے میں نے

تمہارے لعلِ سخن گو کی سُرخیاں لے کر
جبینِ شعر پہ قشقے لگا دیے میں نے

وہی ہیں زینتِ محفل، وہی ہیں زیبِ سخن
جو ایک بار فسانے سُنا دیے میں نے

غمِ وفا میں دکھائیں غمِ جہاں کی سُریں
تمام ساز کے پردے ملا دیئے میں نے

ان آنسوؤں سے پروئے غزل کے گوہرِ ناب
جو بچ گئے سرِ مژگاں سجا دیئے مَیں نے

دھواں دھواں تھا جو دل کا چراغ پہلو میں
اسی سے قصرِ وفا جگمگا دیئے مَیں نے

خود اپنے گوشۂ دامن سے ہو کے سرِ شام
چراغِ بزمِ تمنا بجھا دیئے مَیں نے

---

(۲۲)

(الف)

کوششیں ترکِ محبت کی ہیں ناکام ابھی
دل دھڑکتا ہے جو لیتا ہوں ترا نام ابھی

گردشِ جام کے سائے میں نہیں چلتا ہوں
خوش گماں تجھ سے ہوں اے گردشِ ایام ابھی

○

(ب)

محرومِ التفات رہی کشتِ آرزو
بارانِ باد و برق و شرر نے خبر نہ لی

برسوں اسیرِ عالمِ بے روز و شب رہے
برسوں نمودِ شام و سحر نے خبر نہ لی

دل کو مزاجِ شعلہ و سیماب بخش کر
پھر اس نگارِ شعبدہ گر نے خبر نہ لی

○

ج

جس نے شبِ حیات کو دی نور کی مہک
مکھڑا وہ ان کا چاند کا ٹکڑا گلاب سا

سنتا ہوں اپنے ترکِ تمنا کی داستاں
آتا ہے اپنے آپ سے مجھ کو حجاب سا

---

(۲۳)

(الف)

کبھی کے آسرے پہ زندگی گذرے نہ گذرے گی
کسی کو زندگی کا آسرا کہہ دوں تو کیا ہو گا

○

(ب)

عزیزوں پہ کیا ضبط کا راز کھولیں
نہیں اتنی فرصت مہیّا کہ رو لیں

نصیحت گروں سے کریں ان کی باتیں
چلو بادۂ ناب میں زہر گھولیں

○

(ج)

یارب چمن کی خیر کہ آندھی ہے تند و تیز
دوشِ ہوا پہ پھول بھی ہیں خار و خس کے ساتھ

کن منزلوں سے آج گذرتا ہے کارواں
فریاد کی صدا بھی ہے صوتِ جرس کے ساتھ

(۲۴)

مہک رہا ہے چمن ہنس رہے ہیں گُل بُوٹے
چلی نسیم کہ جلوے بہار کے لُوٹے ....!

نظر پہ جس کی ہوں پہرے وہ آنکھ کیا کھولے
زباں پہ جس کی ہوں مہریں وہ منہ سے کیا پھوٹے

یوں ہی سہی دلِ ناداں وہ باوفا ہی سہی
ہمیں سہی ترے دُشمن ہمیں سہی جھُوٹے

خدا کا شکر کہ پروائے رنگ و بُو نہ رہی
خُدا کا شُکر کہ جس بہار سے چھوٹے ....

تمہیں جو دولتِ ایماں پہ ناز ہے عابدؔ
سُنے وہ دُشمنِ ایماں تو کیا غضب ٹوٹے

(۲۵)

کہو بتوں سے کہ ہم طبع سادہ رکھتے ہیں
پھر ان سے عرضِ وفا کا ارادہ رکھتے ہیں

انہیں کی تشنہ لبی کے فسانے سُنتا ہوں
جو ہمنشیں سر و سامانِ بادہ رکھتے ہیں

یہی خطا ہے کہ اس گیر و دار میں ہم لوگ
دلِ شگفتہ جبینِ کشادہ رکھتے ہیں

کسے خبر کہ گریبانِ دل ہے چاک اب تک
کہ دیکھنے کو سلامت لبادہ رکھتے ہیں

تیرے فقیر ہیں اس انجمن کی جانِ جہاں
قدم سنبھل کے شہ و شاہزادہ رکھتے ہیں

خدا گواہ کہ اصنام سے ہے کم رغبت
صنم گری کی تمنّا زیادہ رکھتے ہیں

دکانِ بادہ فروشاں کے صحن میں عابدؔ
فرشتے خلد کا اِک در کشادہ رکھتے ہیں

---

(۲۶)

دل کے مٹنے کا نشاں رہتا ہے
آگ نہ بجھنے پہ دھواں رہتا ہے

ہاں سلامت رہو رندو تم پر
کچھ رفاقت کا گماں رہتا ہے

شُعلے یوں اُٹھتے ہیں گلزاروں سے
کہ بہاراں کا سماں رہتا ہے

عاشقی مہر بہ لب رہتی ہے
مدعی محوِ بیاں رہتا ہے

سب خداؤں کی خدائی کا شعور
دلِ انساں پہ گراں رہتا ہے

تجھ سے مخفی ہے جو مجھ پہ گذری
تو قریبِ رگِ جاں رہتا ہے!

تم کہاں رہتے ہو عابدؔ میری جاں
دل تو رہتا ہے جہاں رہتا ہے

---

(۲۷)

بہت لکھی ہے غزل ماہ پیکروں کے لئے
اب ایک دور چلے تیرہ اختروں کے لئے

نقابِ سنگ اُٹھائیں تو ہاتھ کٹتے ہیں
بلائے جاں ہے یہ بستی صنم گروں کے لئے

عطا ہوئی جنہیں پرواز ان پہ کیا بیتی
پھڑک رہے ہو یونہی دوستو پروں کے لئے

تجھی نے اے غمِ دوراں لہو نچوڑ لیا
بچا نہ کچھ غمِ جاناں کے نشتروں کے لئے

ہمیں ہیں نغمہ سرا ان کے لالہ زاروں میں
ہمیں ہیں سنگِ فساں ان کے خنجروں کے لئے

اگرچہ گردشِ دوراں تھی پاسبانِ بہار
چرا کے لایا ہوں نغمے سمن بروں کے لئے

نئے ستارے بنائی ہے کارگاہِ خیال
اب آئینے نہیں بنتے سکندروں کے لئے

قضا کا شعبدہ گر موتیوں کے ہار کے ساتھ
صلیب و دار بھی رکھتا ہے رہبروں کیلئے

الجھ پڑے سرِ بازار مومنوں سے گروہ
صلائے عام ہے اس وقت کافروں کیلئے

نزولِ شعر ہو دل پر تو ہم کو بس ہے یہی
صحیفے ہوتے ہیں نازل پیمبروں کے لئے

کھلی ہیں کافر و دیندار کے لئے راہیں
زمین تنگ ہے عابدؔ سخن وروں کے لئے

(۲۸)

سازو آواز پہ کیا گزرے گی
نغمہ پرواز پہ کیا گذرے گی

شبِ ہجراں کے ستارو بولو
دیدۂ باز پہ کیا گذرے گی

میرا غم خانہ تپا دیتا ہے
محفلِ ناز پہ کیا گذرے گی

بات کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے
محرمِ راز پہ کیا گزرے گی

اے خدا ساز ہے مجبورِ سکوت
صاحبِ ساز پہ کیا گذرے گی

یونہی خنداں جو رہا لعل نگار
سحر و اعجاز پہ کیا گذرے گی

دم پرواز نہ سوچا میں نے
پر پرواز پہ کیا گزرے گی

اپنے پھندے میں الجھتا ہے جمال
اس فسوں ساز پہ کیا گزرے گی

کن منازل سے گذرتا ہے خیال
اس نظر باز پہ کیا گذرے گی

کوئی دل سوز نہیں ہے عابدؔ
دل کی آواز پہ کیا گذرے گی

(۲۹)

دل ہے آئینۂ حیرت سے دوچار آج کی رات
غمِ دوراں میں ہے عکسِ غمِ یار آج کی رات

ہو گیا ہر بُنِ مو صورتِ نَے شکوہ سرا
مجھ سے ہشیار کہ ہوں سینہ فگار آج کی رات

آتشِ لالہ کو دامن سے ہوا دیتی ہے
دیدنی ہے روشِ موجِ بہار آج کی رات

آج کی رات کا مہمان ہے ملبوسِ حریر
اس چمن زار سے اُگتے ہیں شرار آج کی رات

طاقِ کسریٰ کے چراغوں کی لویں مدھم ہیں
ہو رہا ہے کہیں داغوں کا شمار آج کی رات

میں نے فرہاد کی آغوش میں شیریں دیکھی
میں نے پرویز کو دیکھا سرِ دار آج کی رات

شہرِ خوباں میں نہیں کوئی غزلخواں امشب
نافِ آہو میں نہیں مشک تتار آج کی رات

جو چمن صرفِ خزاں ہیں وہ بلاتے ہیں مجھے
مجھے فرصت نہیں اے جانِ بہار آج کی رات

دریزہ داں پہ بھی جھکتی نہیں اس وقت جبیں
مجھ سے آنکھیں نہ لڑا اے دربار آج کی رات

وقت کہتا ہے کہ برہم ہو یہ محفل ساقی
میکدے آج کے دن بادہ گسار آج کی رات

آج کی رات ہے دل کا تیرے سائے میں قیام
آج کی رات بس اے زلفِ نگار آج کی رات

خاک پامال ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
صفتِ کاہکشاں راہگذار آج کی رات

کھل گئے شعبدہ سازانِ چمن کے اسرار
دھل گیا دیدۂ نرگس کا غبار آج کی رات

دیکھ اے بادِ صبا پھول شکر خواب میں ہیں
مسندِ گل کا طلبگار ہے خار آج کی رات

صبح دم نور کا سیلاب رکا ہے نہ رکے
جو ترے جی میں ہو کر شعبدہ کار آج کی رات

بوئے خوں آتی ہے صحرائے تمنا سے مجھے
کھیلتا ہوں دلِ وحشی کا شکار آج کی رات

کوئی منصور سے جا کر یہ کہو ہم نفسو
ہوں بہ تعزیرِ خموشی سر دار آج کی رات

مشعلِ شعر کا لایا ہوں چڑھاوا عابدؔ
جگمگاتے ہیں شہیدوں کے مزار آج کی رات

---

(۳۰)

واعظِ شہر خدا ہے مجھے معلوم نہ تھا
یہی بندے کی خطا ہے مجھے معلوم نہ تھا

نغمۂ نے بھی نہ ہو بانگِ بطِ مے بھی نہ ہو
یہ بھی جینے کی ادا ہے مجھے معلوم نہ تھا

اپنے ہی ساز کی آواز پہ حیران تھا میں
زخمۂ ساز نیا ہے مجھے معلوم نہ تھا

حکمِ صیاد کے باوصف غزلخواں ہیں طیور
پرِ فشاں بادِ صبا ہے مجھے معلوم نہ تھا

میں سمجھتا تھا جسے ہیکل و محراب و کنشت
میرا نقشِ کفِ پا ہے مجھے معلوم نہ تھا

جس کے ایما سے کیا شیخ نے بندوں کو ہلاک
وہی بندوں کا خدا ہے مجھے معلوم نہ تھا

خطبۂ ترغیبِ ہلاکت کا رُوا ہے اے دوست
شعر کہنے کی سزا ہے مجھے معلوم نہ تھا

شبِ ہجراں کی درازی سے پریشاں تھا میں
یہ تری زلفِ رسا ہے مجھے معلوم نہ تھا

کفر و ایماں کی حدیں کس نے معین کی تھیں
اس پہ ہنگامہ بپا ہے مجھے معلوم نہ تھا

یہی مارِ دو زباں میرا لہو چاٹ گیا
وہ نما ایک بلا ہے مجھے معلوم نہ تھا

پرفشاں تھے دف دف نے دل کے شبستاں میں کہیں
کون یوں نغمہ سرا ہے مجھے معلوم نہ تھا

چہرہ کھولے نظر آتی تھی عروسِ گلنار
منہ پہ شبنم کی ردا ہے مجھے معلوم نہ تھا

خارزارِ غمِ ہستی میں نہ آیا ہے کسی کام
غمِ یار آبلہ پا ہے مجھے معلوم نہ تھا

وہ مجھے مشورۂ ترکِ وفا دیتے تھے
یہ محبّت کی ادا ہے مجھے معلوم نہ تھا

میں وہی ہوں کہ ہوا ترکِ وفا پہ مجبور
بات ناصح کی بجا ہے مجھے معلوم نہ تھا

غمِ دوراں کا مداوا نہ ہوا پر نہ ہوا
ہات میں کس کے شفا ہے مجھے معلوم نہ تھا

مجھ کو ہوتا تھا دلِ خوں شدہ کا جس پہ گماں
کفِ خوباں کی حنا ہے مجھے معلوم نہ تھا

عجب انداز سے تھا کوئی غزلخواں کل رات
عابدؔ شعلہ نوا ہے مجھے معلوم نہ تھا

(۳۱)

بس کر اے دردِ مہجوری
اور بھی ہے کچھ کام ضروری

رمزِ سخن کی خوبی یہ ہے
مطلب پورا بات ادھوری

قائم ہے ارژنگ کی دنیا
مٹ کے رہا نقش فغفوری

سوزِ تمنّا سے روشن ہے
خاکی ہو انسان کہ نوری

عشق میں سب سے مشورہ چاہا
سب نے ظاہر کی معذوری

ہم دنیا میں بے مطلب ہیں
دُنیا ہے مطلب کی پُوری

اندھوں کی دنیا میں ہمدم
فاصلے کہلاتے ہیں دُوری

سینہ کیسا روشن ہوگا
دیکھو آنکھوں کی بے نوری

عشق میں ہر صورت نازک ہے
محرومی ہو یا مجبوری

پیار کا عابدؔ روگ جو پالوں
پہلے اُن سے لُوں منظوری

(۳۲)

خم کو پہچان جام کو پہچان
مے کشوں کے مقام کو پہچان

منہ سے اب کچھ کہا نہیں جاتا
ساقیا تشنہ کام کو پہچان

تُو نہ سمجھا مقام نغمہ گری
شورِ بالائے بام کو پہچان

یہی احباب تیرے مخبر ہیں
کاتبینِ کرام کو پہچان

کیا قیامت گذر گئی ہوگی
بے نوا کے سلام کو پہچان

عاملِ شہر مجھ کو داد تو دے
کبھی رمز کلام کو پہچان

پردے پردے میں ہے وہ نغمہ سرا
عابدؔ خوش کلام کو پہچان

---

(۳۳)

آئی سحر قریب تو میں نے پڑھی غزل
جلنے لگے ستاروں کے بجھتے ہوئے کنول

بیتاب ہے جنوں کہ غزل خواں کروں
خاموش ہے خرد کہ نہیں بات کا محل

راہوں میں جوئے خوں ہے رواں مثلِ موجِ مے
ساقی یقیں نہ ہو تو ذرا میرے ساتھ چل

ہم رند خاک و خوں میں اَٹے ہاتھ بھی کٹے
نکلے نہ اے بہار ترے گیسوؤں کے بل

کچھ بجلیوں کا شور ہے کچھ آندھیوں کا زور
دل ہے مقام پر تو ذرا بام پر نکل

اب ترکِ دوستی ہی تقاضا ہے وقت کا
اے یارِ چارہ ساز مری آگ میں نہ جل

اے التفاتِ یار مجھے سوچنے تو دے
جینے کا ہے مقام کہ مرنے کا ہے محل

دل پر ہے ایسا بوجھ کہ کھلتی نہیں زباں
آندھی ہے ایسی تیز کہ جلتا نہیں کنول

کیسے دئے جلائے غمِ روزگار نے
کچھ اور جگمگائے غمِ یار کے محل

فرمانِ شہریار کی پروا نہیں مجھے
ایمائے عاشقاں ہو تو عابدؔ پڑھے غزل

(۳۴)

ہر پھول داغ دار ہے اب سوچنا پڑا
کہتے ہیں یہ بہار ہے اب سوچنا پڑا

بن سوچنے کے ہم تھے چمن میں غزل سرا
برپا چمن میں دار ہے، اب سوچنا پڑا

اب راہبر کے فیض سے غائب ہے رہگذر
اب چار سو غبار ہے، اب سوچنا پڑا

میں اور سوچ گردشِ لیل و نہار کی
ایمائے چشمِ یار ہے، اب سوچنا پڑا

ہوتا تھا یہ تو زینتِ مژگانِ عاشقاں
خوں زیبِ رہگذار ہے، اب سوچنا پڑا

سوچے بغیر ہم نے جو مانی تھی دل کی بات
اب دل گلے کا ہار ہے، اب سوچنا پڑا

دل میں غمِ جہاں بھی ہے یادِ بتاں کے ساتھ
کس کس کو مجھ سے پیار ہے اب سوچنا پڑا

سر پھوڑنے کا حکم، نہ سجدوں کا اعتبار
یہ آستانِ یار ہے اب سوچنا پڑا

وہ دن گئے کہ ربط نسیم و صبا سے تھا
اب سانس دل پہ بار ہے اب سوچنا پڑا

عابدؔ یہ کہہ رہا ہے کہ عرضِ ہنر نہ کر
عائدؔ پر اعتبار ہے، اب سوچنا پڑا

---

(۳۵)

سب کے جلوے نظر سے گذرے ہیں
وہ نہ جانے کدھر سے گذرے ہیں

موجِ آوازِ پائے یار کے ساتھ
نغمے دیوار و در سے گذرے ہیں

آج آئے ہیں اپنے آپ کو یاد
آج دل کے نگر سے گذرے ہیں

تب نویدِ سحر ہوئی ہے نصیب
جب امیدِ سحر سے گذرے ہیں

دیکھنا اس طرف دھواں تو نہیں
اس طرف کو شرر سے گذرے ہیں

گھر کے گوشے میں تھے کہیں پنہاں
جتنے طوفان گھر سے گذرے ہیں

کہیں جلتے ہیں خار و خس شاید
شعلے شاخِ شجر سے گذرے ہیں

ہوسِ خام سے مفر ہی نہیں
سب اسی رہگذر سے گذرے ہیں

زلف کے خم ہوں یا جہاں کے غم
مر مٹے ہم جدھر سے گذرے ہیں

جن سے غم بڑھ گیا وہ آنسو بھی
منزلِ چشمِ تر سے گذرے ہیں

صدفِ تہ نشیں بھی کانپ گیا
کیسے طوفاں گہر سے گذرتے ہیں

ہجر کی لذتیں وصال کے روگ
سارے عالم نظر سے گذرے ہیں

باغ شاداب موجِ گل ہی نہیں
سیلِ خوں بھی ادھر سے گذرے ہیں

جب کھنچی ہے کہیں کماں عابدؔ
تیر میرے جگر سے گذرے ہیں

---

(۳۶)

گلشن میں خوں رواں تھا یا میں نے خواب دیکھا
ہر پھول ارغواں تھا یا میں نے خواب دیکھا

دوشِ ہوا پہ خس تھے، جلتے ہوئے قفس تھے
چاروں طرف دھواں تھا یا میں نے خواب دیکھا

احباب راندۂ در، اغیار زیبِ محفل
یہ تیرا آستاں تھا، یا میں نے خواب دیکھا

نکہت سے نغمہ جاری، نغمے پہ نور طاری
یہ رنگ بوستاں تھا، یا میں نے خواب دیکھا

شعلے دہک رہے تھے، جلوے مہک رہے تھے
خود وہ بلائے جاں تھا، یا میں نے خواب دیکھا

کاجل کی اوٹ پلکیں، آنچل کی اوٹ مکھڑا
جادو کا یہ سماں تھا، یا میں نے خواب دیکھا

لعل نگار خنداں، نورِ قمر دو چنداں
یہ وہم یا گماں تھا، یا میں نے خواب دیکھا

---

(۳۷)

کھوئے گئے جمال کی تابانیوں میں ہم
پائے گئے نگاہ کی حیرانیوں میں ھم

مقبولِ دلبراں ہیں غزل خوانیوں میں ھم
مرغوب عاشقاں ہیں ادا دانیوں میں ھم

دل میں رہا نہ قطرۂ خوں اے غمِ فراق
برباد ہو گئے تری مہمانیوں میں ھم

چپ چاپ کچھ نسیم نے کلیوں سے کہہ دیا
بیٹھے رہے چمن کی نگہبانیوں میں ھم

دیوارِ صحنِ باغ ہے چاروں طرف بلند
گنتے ہیں اپنے آپ کو زندانیوں میں ہم

سلجھے ہوئے ہیں آپ کے گیسوئے عنبریں
الجھے ہوئے ہیں اپنی پریشانیوں میں ہم

پھولوں سے ہم کلام ہیں کانٹوں کے ہم زباں
خوش ہیں درِ بہار کی دربانیوں میں ہم

سمجھے نہ ان کی چشمِ سخن گو کا ماجرا
مشہورِ انجمن تھے سخندانیوں میں ہم

حسنِ کلام نے کبھی دل کا دیا نہ ساتھ
مخفی رہے خیال کی ویرانیوں میں ہم

عرضِ ہنر ہے پردۂ اظہارِ آرزو
پوشیدہ ہیں کلام کی عریانیوں میں ہم

دادِ کلام دے لبِ لعلِ سمن براں
مصروف ہوں جہاں گہر افشانیوں میں ہم

عابدؔ حضورِ یار یہ اشعار آبدار
لائے ہیں نذر بے سروسامانیوں میں ہم

---

(۳۸)

چاک دامن مجھے سینا ہوگا
ان کا ایما ہے تو جینا ہوگا

کس قدر تلخ ہے زہر آب حیات
وہ پلائیں گے تو پینا ہوگا

دے مئے لعل، کہ آخر، ساقی
عشق میں خون پسینا ہوگا

غمِ دوراں کے خرابوں میں کہیں
غمِ جاناں کا دفینا ہوگا

کون دے گا تمہیں الزامِ جفا
اس قدر کون کمینا ہوگا

ناخدا کے جو یہی لچھن ہیں
غرق ساحل پہ سفینا ہوگا

صبح سے بھیڑ ہے میخانوں میں
رمضاں کا یہ مہینا ہوگا

کیسی بے نور ہیں میری آنکھیں
کیا روشن میرا سینا ہوگا

دل کے ویرانے بھی کام آئینگے
کسی گوشے میں خزینا ہوگا

جس نے مانگی میرے جینے کی دعا
اُس کے دل میں ابھی کینا ہوگا

ہم بھلا ہاتھ سے دل دیتے تھے
کسی جلاد نے چھینا ہوگا

لفظ ہوگا جو غزل میں عابدؔ
وہ انگوٹھی میں نگینا ہوگا

(۳۹)

صبح تک رقصِ کناں بنتِ عنب دیکھینگے
آج وہ طرفہ تماشا ہے کہ سب دیکھیں گے

غمِ جاناں کے اشاروں کا تقاضا ہے یہی
غمِ دوراں نہیں دیکھا تھا تو اب دیکھیں گے

ہم دمو باغ میں ہر سال بہار آئے گی
اب نہیں دیکھنے پائیں گے تو جب دیکھیں گے

سب ہمیں آئینہ حسن بتاں کہتے ہیں
دیکھنا یہ ہے کہ اس سمت وہ کب دیکھیں گے

یوں نہ دیکھیں گے وہ ہم نغمہ گروں کی جانب
ساز میں تیغ کی جھنکار ہو جب دیکھیں گے

رات کو جشنِ چراغاں ہے مگر پروانے
دن گذاریں گے تو ہنگامۂ شب دیکھیں گے

رکھ دیا آج دریار پہ سر عابدؔ نے
آج وہ طرفہ تماشا ہے کہ سب دیکھیں گے

(۴۰)

اٹھا مینائے مے ساقی بڑے نازک مقام آئے
کہ رندِ بے نوا کو شہریاروں کے سلام آئے

میری صید افگنی کا ساز و ساماں کیا قیامت ہے
قبائے قیصر و تاجِ سکندر زیرِ دام آئے

شبِ غم بھی وہی شب ہے مگر کاٹے نہیں کٹتی
نہ ہنسنا میرے کام آئے نہ رونا میرے کام آئے

جفائے گردشِ دوراں کسی صورت نہیں رکتی
اگر ایمائے چشمِ یار ہو گردش میں جام آئے

خوشا یہ عزت افزائی کہ خود مقتل میں بلوایا
زہے یہ جلوہ فرمائی کہ خود بالائے بام آئے

(۴۱)

چپ بھی ہے ناگوار دنیا کو
کون سنتا جو بات ہم کرتے

ضبطِ غم پر ہیں لوگ ہم سے خفا
کیا گذرتی جو عرضِ غم کرتے

کس نے سیکھی صنم گری کی ادا
مر گئے ہم صنم صنم کرتے

یہی حسرت رہی مدام کہ ہم
سر کسی آستاں پہ خم کرتے

میرے شکووں پہ اُس نے ہنس کے کہا
کس نے کی تھی وفا جو ہم کرتے

کچھ نئی ان سے رسم و راہ نہیں
مدتیں ہو گئی ہیں غم کرتے

(۴۲)

بہاراں ہے فریبِ آشکارا ہم نہ کہتے تھے
نہ ڈھونڈو اس بہاراں کا سہارا ہم نہ کہتے تھے

نہ حکم تیز پروازی، نہ اذنِ آشیاں بندی
نہ ہوگا اِس گلستاں میں گذارا ہم نہ کہتے تھے

بتاؤ اہلِ محفل ہو چکی ہنگامہ آرائی
تماشا دیکھتا ہے محفل آرا ہم نہ کہتے تھے

لہو کا گھونٹ پی کر بادہ آشاموں نے چپ سادھی
کیا ہے چشمِ ساقی نے اشارا ہم نہ کہتے تھے

مئے عشرت کے متوالو یہی تقدیرِ دوراں ہے
تمہیں زہرابِ غم ہوگا گوارا ہم نہ کہتے تھے

نہ تو بندوں سے راضی ہے نہ بندے تجھ سے راضی ہیں
خدائی روگ ہے پروردگارا ہم نہ کہتے تھے

جنہیں دُنیا جہنم تھی وہ کیا ڈرتے جہنم سے
ہمیں نے حشر کا میدان مارا ہم نہ کہتے تھے

---

(۴۳)

ہوائے تیز پر افشاں ہے دیکھئے کیا ہو
مرا چراغ فسُردہ زاں ہے دیکھئے کیا ہو

رواں ہے موجِ گل و لالہ موجِ خوں کی طرح
چمن شہیدِ بہاراں ہے دیکھئے کیا ہو

کسی کی عشوہ گری سے بغیر فصلِ بہار
سبھی کا چاکِ گریباں ہے دیکھئے کیا ہو

نہیں خبر ہی نہیں اے طیورِ نغمہ سرا
یہی چمن یہی زنداں ہے دیکھئے کیا ہو

درازیٔ شبِ ہجراں سے مجھ کو خوف نہ تھا
کسی کی زلف پریشاں ہے دیکھئے کیا ہو

سبو اٹھا کہ یہ نازک مقام ہے ساقی
نہ اہرمن ہے نہ یزداں ہے دیکھئے کیا ہو

جہاں کشو دنوا پر خزاں کے پہرے ہیں
وہی بہار غزل خواں ہے دیکھئے کیا ہو

قلندری کے وہ جلوے نہ خسروی کے وہ ٹھاٹھ
نہ وہ گدا نہ وہ سلطاں ہے دیکھئے کیا ہو

ہمارے پاس ہے لے دے کر اک متاعِ نظر
ہمیں سے جلوہ گریزاں ہے دیکھئے کیا ہو

چبھا تھا پاؤں میں کانٹا کہیں مگر ہمدم
خلش قریبِ رگِ جاں ہے دیکھئے کیا ہو

یہی ہے دل سے شکایت کہ میرا محرمِ راز
مجھی سے دست وگریباں ہے دیکھئے کیا ہو

ہمیں ہیں پیرِ مغاں کافروں کے اے عابدؔ
ہمیں کو دعوائے ایماں ہے دیکھئے کیا ہو

---

(۴۵)

دل کو اس کا یقیں ہے کیا کیجے
میرے بس میں نہیں ہے کیا کیجے

زلفِ پُرخم بغیر عطرِ وفا
عنبریں۔ عنبریں ہے کیا کیجے

لبِ لعلیں بدونِ حسنِ کلام
شکریں شکریں ہے کیا کیجے

چشمِ جادو بوصفِ شوخیٔ ناز
سرمگیں سرمگیں ہے کیا کیجے

منزلیں اور بھی ہیں اے درِ یار
اتنی ہمت نہیں ہے کیا کیجے

کوئی دل کا نشاں نہیں باقی
درد اب تک وہیں ہے کیا کیجے

اے بتو، عاشقوں سے خلقِ خدا
یوں بھی چیں بر جبیں ہے کیا کیجے

کیسی مشکل ہے ناصحوں کی زباں
دل سمجھتا نہیں ہے کیا کیجے

دلبری سنگ دل ہے کیا کہئے
عاشقی نازنیں ہے کیا کیجے

تلخ کاموں کا حال کیا لکھئے
زہرِ غم انگبیں ہے کیا کیجے

لفظ ہیں سب خرابہ ہائے خیال
گنجِ معنی یہیں ہے کیا کیجے

اپنے خون میں نہائیے کب تک
ہر گھڑی تہ نشیں ہے کیا کیجے

تارِ سب زندگی کے اُلجھے ہیں
ہم کہیں، دل کہیں ہے کیا کیجے

آج باوصفِ گریۂ پیہم
ہر نفس آتشیں ہے کیا کیجے

رات بھر چاندنی نے ڈسا مجھے
آج پھر چودھویں ہے کیا کیجے

نکتہ پیرا ہے آپ ہی عابدؔ
آپ ہی نکتہ چیں ہے کیا کیجے

(۴۵)

وہ کسی پر جفا نہیں کرتے
اعتبارِ وفا نہیں کرتے

ایک ہم سے خفا ہے خلقِ خدا
لوگ دنیا میں کیا نہیں کرتے

اے نصیحت گرو خدا کے لئے
یوں نصیحت کیا نہیں کرتے

سر نہ کھاؤ کہ عشقِ لالہ رخاں
ہم نے کب جو دیا نہیں کرتے

سخت مشکل ہے دلبری دیکھیں
آپ کرتے ہیں یا نہیں کرتے

غمِ جاناں ہو یا غمِ دوراں
تیر ان کے خطا نہیں کرتے

مر بھی جائیں تو ہم سرِ محفل
ساقیا ساقیا نہیں کرتے

اے عزیزو تمہاری شرط نہیں
ہم تو اپنا کہا نہیں کرتے

دوست ہیں بے وفا مگر عابدؔ
مُنہ سے ایسا کہا نہیں کرتے

(۴۶)

گلزار دیکھے صحرا کھنگالے
ہاتھوں میں ساغر پاؤں میں چھالے

دنیا میں اپنی صبحیں نہ شامیں
دل کے اندھیرے دل کے اجالے

کچھ دل لگی ہے یہ زندگی ہے
یا بادہ پی لے یا زہر کھا لے

دُنیا کی باتیں کب تک سہیں گے
کب تک رہیں گے دل کو سنبھالے

اے سنگِ طفلاں ہم اہلِ دل ہیں
مانندِ مینا نازوں کے پالے

مے خوار ساقی قطرے کو ترسیں
برسیں چھما چھم ساون کے جھالے

چھاگل بنا ہے کیا چال چھم چھم
کاجل بنا ہیں کیا نین کالے

مکھڑے کی لو سے تپتے ہیں گہنے
ماتھے کا جھومر کانوں کے بالے

فصلِ بہاراں گویا دلہن ہے
پھولوں کا آنچل مکھڑے پہ ڈالے

وحشت کے دن ہیں فرقت کی راتیں
ڈستے ہیں مجھ کو یہ کوڑیا لے

کیوں ان سے عابدؔ آنکھیں لڑائیں
کیوں دکھ خریدے کیوں روگ پالے

(۴۷)

گل کی خونیں جگری یاد آئی
پھر نسیم سحری یاد آئی

آج فرمانِ رہائی پہونچا
آج بے بال و پری یاد آئی

جب جھکایا درِ محبوب پہ سر
پاؤں کو دربدری یاد آئی

دشمن آباد رہیں جن کے طفیل
اپنی عالی گہری یاد آئی

جب کسی نے مری آنکھیں سی دیں
تب مجھے دیدہ وری یاد آئی

ساز جب ٹوٹ گئے ہم نفسو
اب تمہیں نغمہ گری یاد آئی

کبھی روشن جو ہوئی شمع بہار
باغ کی بے بصری یاد آئی

آشنا سا نظر آیا رہزن
آپ کی راہ بری یاد آئی

پھر دہکنے لگے انگارے سے
دل میں کیا زہر بھری یاد آئی

بات ناصح کی نہ آئی کوئی یاد
بات کی بے اثری یاد آئی

کم نہ تھے گردشِ دوراں کے گلے
کیوں تری کم نظری یاد آئی

پہلے معلوم نہ تھا دل کا مقام
اب تمہیں شیشہ گری یاد آئی

آج اربابِ خرد کو عابدؔ
میری شوریدہ سری یاد آئی

---

(۴۸)

کچھ خاکِ راہ گذار تھے کچھ داغدار تھے
میرے چمن کے پھول شہیدِ بہار تھے

منزل کڑی تھی پیشِ نظر اور ہم سفر
خوش تھے کہ زیرِ سایۂ دیوارِ یار تھے

ایسا ہی تھا چشمِ دل آویزِ یار کا
ہم رمز خوانِ گردشِ لیل و نہار تھے

ڈرتے نہ تھے درازیٔ شامِ فراق سے
ہم رازدارِ سلسلۂ زلفِ یار تھے

ہم جانتے تھے خونِ شہیداں کا ماجرا
ہم نکتہ دانِ غازۂ روئے نگار تھے

پھولوں سے ہم کلام تھے کانٹوں کے ہم زباں
دیکھو ہمیں کہ محرمِ فصلِ بہار تھے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ اڑتی تھی دل میں خاک
پھر بھی یہاں نشانِ کفِ پائے یار تھے

کرتا ہے اختیارِ غمِ یار بھی یہ روپ
ہم شاد تھے کہ رہنِ غمِ روزگار تھے

امسال موجِ گل ہی نہ تھی زینتِ چمن
سیلابِ خوں بھی غازۂ روئے بہار تھے

آیا کوئی چمن میں سنہری قفس لئے
کچھ نغمہ گر طیور سرِ شاخسار تھے

ہم وحشیوں نے صحنِ گلستاں سے اے خزاں
نکلے بھی چن لیے کہ شریکِ بہار تھے

عابدؔ ذلیل و خوار تھی رسمِ نواگری
نغمے ہمیں بھی نوکِ زباں بیشمار تھے

(۴۹)

نہ شراب ہو عطا کہ مئے لالہ گوں ملے
ساقی کسی طرح مرے دل کو سکوں ملے

ہم لوگ ہیں زمین کی زینت وگرنہ یوں
جھک کر زمیں سے فلک نیل گوں ملے

جن کے متاعِ عقل پہ دنیا کو ناز تھا
وہ بھی فریب خوردۂ دنیائے دوں ملے

دانش وروں کو دشت میں دیکھا گریز پا
اہلِ جنوں شناورِ دریائے خوں ملے

اے ہم سفر بہار کی منزل قریب ہے
ہر سمت آج راہ میں سیلابِ خوں ملے

اب تم کو رنج ہے کہ وہ دیوانہ ہو گیا
ایسا ہی تو تھا عابدؔ وحشی سے کیوں ملے

---

(۵۰)

نیند میری اچٹ گئی کل رات
کن خیالوں میں کٹ گئی کل رات

صحن گلزار میں نسیم بہار
بوئے گل سے لپٹ گئی کل رات

ہنس رہی ہے کلی کلی کہ ہوا
سارے گھونگھٹ اُلٹ گئی کل رات

شب ہجراں یار کی بدلی
کس نزاکت سے چھٹ گئی کل رات

ان کے گیسوئے عنبریں کے طفیل
کس تکلف سے کٹ گئی کل رات

سوچتا تھا کہ وقت کی رفتار
اپنے محور سے ہٹ گئی کل رات

اب سنا ہے کہ گردشِ دوراں
دبے پاؤں پلٹ گئی کل رات

ایک دنیائے رنگ و رامش و نور
میرے دل میں سمٹ گئی کل رات

بڑھ گیا ذوقِ زندگی عابدؔ
عمر کچھ اور گھٹ گئی کل رات

(۵۱)

آج صحنِ چمن قفس ہے مجھے
دمِ شمشیر ہر نفس ہے مجھے

تجھے سارے چمن کی فکر نہیں
ایک گلِ خون ہو تو بس ہے مجھے

خوش نواؤں کا حال روشن ہے
خوش نوائی میں پیش و پس ہے مجھے

غایتِ کار کا پتہ ہی نہیں
مہلتِ کار یک نفس ہے مجھے

چپ کرو بلبلو خدا کے لئے
اک نوائے بہار بس ہے مجھے

لاکھ ہوں میں شہیدِ لالہ و گُل
پھر بھی پروائے خار و خس ہے مجھے

مَیں نے جی بھر کے جی لیا عابدؔ
ساعتِ شوق سو برس ہے مجھے

(۵۲)

نغمہ پیرا ہوں خوش نوا تو سہی
حشر ہو ناگہاں بپا تو سہی

باوجودِ شکستِ دل ظالم
دل سے نکلے وہی صدا تو سہی

جلوہ گر ہو رُخِ نگار سحر
تیری زُلفیں ہو نارسا تو سہی

صبحِ روشن کی شاہراہوں پر
شبِ غم ہو گزیر پا تو سہی

جس نے ساقی لہو کے گھونٹ پیے
وہی لے تجھ سے خوں بہا تو سہی

پیچ در پیچ پردہ در پردہ
یوں بھی ہو عرضِ مدعا تو سہی

سر سے کھیلے نہ منہ سے بولے تم
ہم دمو ہم نے کچھ کہا تو سہی

پھول سا نرم پھول سا ہلکا
غمِ دوراں کبھی اٹھا تو سہی

غمِ جاناں کی آنچ ٹھنڈی ہے
کوئی سینے پہ داغ کھا تو سہی

بلبلوں کو نہیں ہے اذنِ کلام
پھول خود ہوں غزل سرا تو سہی

اِس قدر آندھیوں سے کیا ڈرنا
تو چراغِ جنوں جلا تو سہی

طائرِ سست بال پر پھوٹی
تو سرِ شاخسار جا تو سہی

ہمہ تن گوش ہے چمن کی فضا
نغمہ گر کوئی گیت گا تو سہی

آ گئے اپنے نصیب ہیں عابدؔ
میں درِ یار تک گیا تو سہی

(۵۳)

مے ہو ساغر میں کہ خوں رات گذر جائے گی
دل کو غم ہو کہ سکوں رات گذر جائے گی

نہ رُکا ہے نہ رُکے قافلۂ لیل و نہار
درد کم ہو کہ فزوں رات گذر جائے گی

میں تیرا محرمِ اسرار ہوں اے صبحِ بہار
جا کے پھولوں سے کہوں رات گذر جائے گی

لاکھ بل کھا کے پریشاں ہو تری زلفِ رسا
نہ چلے گا یہ فسوں رات گذر جائے گی

دیکھنا یہ ہے کہ انداز سحر کیا ہوں گے
یوں تو ارباب جنوں رات گذر جائے گی

رات بھر میں نے سجائے سرِ مژگاں تارے
مجھ کو تھا وہم کہ یوں رات گذر جائے گی

صبح اُٹھ کر تجھے راہ رو سے نپٹنا ہوگا
رہبرِ تیرہ دروں رات گذر جائے گی

مژدۂ صبح مبارک تمہیں اے دیدہ ورو
میں جیوں یا نہ جیوں رات گذر جائے گی

(۵۷)

دیکھتے ہو میرے اشعار میں صاحب نظراں
وصفِ خوباں کا تماشا بہ حدیثِ دگراں

اس کے ریزوں کی چبھن ہے مجھے سامانِ نشاط
وہ جو شیشہ مرے پہلو میں تھا اے شیشہ گراں

کوئی بتلاؤ مجھے پھاند کے دیوارِ چمن
آج کس سمت گیا نالۂ خونیں جگراں

آستیں میں رسن و دار نہاں رکھتے ہیں
وہ جو اس دور کے منصور ہیں اے دیدہ وراں

یہی مسکن یہی گلشن یہی زنداں ہے انہیں
تیری محفل سے کہاں جائیں گے آشفتہ سراں

ایک میں آبلہ پا دشتِ بلا سے گذرا
ہار کے بیٹھ گیا قافلۂ ہم سفراں

پسِ دیوار سمٹتے ہوئے سائے ہیں گواہ
ابھی آئے گا یہاں نور کا سیلِ گذراں

کس فسوں ساز نے جادو میری آنکھوں پہ کیا
نظر آتا ہے سرِ دار سرِ تاجوراں

کب اترتا ہے یہاں قافلۂ فصلِ بہار
دیر سے باغ میں ہے دیدۂ نرگس نگراں

عمر کاٹی درِ ساقی پہ بلا نوشوں نے
گوشۂ دل میں لئے دردِ جہاں گذراں

سب ہیں محفل میں کہ عابدؔ کو غزلخواں دیکھیں
دلبراں گلبدناں نغمہ گراں دیدہ وراں

(۵۵)

خوں فشاں دستِ صبا دیکھا ہے
میں نے کل باغ میں کیا دیکھا ہے

تم نے دیکھا ہے جو اے دیدہ ورو
میں نے کچھ اس کے سوا دیکھا ہے

ہر سخن ور نے سرِ دشتِ خیال
میرا نقشِ کفِ پا دیکھا ہے

دُور ہے گھر ابھی ویرانی کا
ابھی امید نے کیا دیکھا ہے

اے سرِ خار کہاں ہے عابدؔ
کہیں وہ آبلہ پا دیکھا ہے

(٥٦)

موجِ صرصر ہو پرافشاں تو خطا میری ہے
ان کے گیسو ہوں پریشاں تو خطا میری ہے

اہرمن انجمن آرا ہے تو ہے میرا قصور
برسرِ قہر ہو یزداں تو خطا میری ہے

لالہ و گل کو یہاں اذنِ شگفتن بھی نہیں
چاک ہے میرا گریباں تو خطا میری ہے

نہ یہاں ذوقِ تماشا نہ یہاں اذنِ کلام
میں چمن میں ہوں غزلخواں تو خطا میری ہے

مجھ سے یوں قیصر و فغفور خفا ہیں گویا
نہ رکے گردشِ دوراں تو خطا میری ہے

دل میں نشتر وہ چبھوئیں تو نہیں ان کا قصور
خوں رواں ہو سرِ مژگاں تو خطا میری ہے

شام سے صبح کا تارا ہے فروزاں عابدؔ
نہیں کٹتی شبِ ہجراں تو خطا میری ہے

---

(۵۷)

تیشہ پیوستِ جگر ہے ساقی
ہوس عرضِ ہنر ہے ساقی

اہرمن یار نہ یزداں محرم
یہی تقدیرِ بشر ہے ساقی

گیسوئے یار ہیں گوشالِ کار
ہر شبِ غم کی سحر ہے ساقی

زندگی آنچ ہے انگاروں کی
عاشقی رقصِ شرر ہے ساقی

میری قسمت ہے کہ خاکِ دریا
سرمۂ منفعت نظر ہے ساقی

مے نہیں چارۂ حرماں کہ مجھے
غم بہ اسلوبِ دگر ہے ساقی

میکشو نغمہ گرو، دیدہ ورو
کوئی بتلاؤ کدھر ہے ساقی

جانتا ہوں کہ بہ فرمانِ قضا
درد بھی شاملِ سر ہے ساقی

جگمگاتا ہے شبستانِ خیال
نقشِ غم آئینہ گر ہے ساقی

مانتا ہوں کہ تہی دست ہوں میں
آنکھ میں سلکِ گہر ہے ساقی

آج تقریر سُنی ناصح کی
ہر سخن بیہودہ تر ہے ساقی

کچھ تکلف مجھے تلچھٹ میں نہیں
مے کدہ تو میرا گھر ہے ساقی

رند ہیں نیند کے ماتے افسوس
جام مے گرم سفر ہے ساقی

---

(۵۸)

ہم بن غمِ یار بھی جئے ہیں
مرنے کے بڑے جتن کئے ہیں

تم سے بھی چھپا کہ ہم نے رکھے
کچھ چاک جو عمر بھر سیئے ہیں

مخفی ہیں تجھ سے بھی غمِ یار
کچھ وار جو دل نے سہہ لئے ہیں

کچھ خونِ وفا سے کچھ حنا سے
کیا رنگ بہار نے لئے ہیں

جلتی ہے مرے دل میں قندیل
بجھتے ہوئے آنکھ کے دیئے ہیں

افسوس ہماری سخت جانی
احباب نے بھی گلے کیے ہیں

گلشن میں عجب ہوا چلی ہے
پھولوں نے ہونٹ سی لیے ہیں

کہتے تھے ہم اس کو جان اپنی
اور اس کے بغیر بھی جیے ہیں

دل باختگی و شعر خوانی
دو کام تو عمر بھر کیے ہیں

دیکھے ہیں بہت بہار کے رنگ
یہ ساغرِ خوں بہت پیے ہیں

جینے کا عذاب ہم سے پوچھو
اچھے رہے وہ جو مر لیے ہیں

یک نیستاں نالہ

نظموں مسلسل غزلوں اور رباعیات کا انتخاب

تقاریب

(۱)

عید میلاد النبیؐ

آج وہ دن ہے کہ رفع سحرِ ظلمت کے لئے
پردۂ اسرار سے نکلے نجومِ تابناک
آج وہ دن ہے کہ یزداں کے فرامین جلال
اس پہ شاہد ہیں کہ اُمّتِ اہرمن کی ہو ہلاک
آج وہ دن ہے کہ سلطانوں کی بزمِ ناز میں
سازِ عشرت سے نکلتی ہے نوائے شعلہ ناک
آج وہ دِن ہے کہ اِنسانوں کو دکھلایا گیا
تختِ کسریٰ سرنگوں، دامانِ قیصر چاک چاک

آج وہ دن ہے کہ بزمِ قدس کی مشعل ہے تو
اے زمینِ تیرہ و تاریک اے دامانِ خاک
آج وہ دن ہے کہ اک انساں میں دیکھے گئے
چشمِ بینا نطق زیبا جان روشن روحِ پاک
آج وہ دن ہے کہ احمد سے ہوا نوریں جہاں
جس کی ملّت نے کیا روشن چراغِ بزمِ خاک
یہ وہ ملّت ہے کہ پھینکے گی ستاروں پہ کمند
ہوشیار اے ماہِ پرویں اے عطارد اے سماک

قندیلِ آرزو

(۱۱ر ستمبر ۱۹۴۹ء)

گہنا گیا وہ چاند مگر اُس کے نور سے
دیوار و درِ وطن کے ہیں تاباں اسی طرح
مرجھا گیا وہ پھول مگر اُس کے رنگ سے
قوسِ قزح ہے صحنِ گلستاں اسی طرح
چپ ہو گیا وہ ساز مگر اس کے سوز سے
نغمے ہیں وادیوں میں پرافشاں اسی طرح
لہرا چکی وہ برق مگر اُس کی تاب سے
قندیلِ آرزو ہے فروزاں اسی طرح
وہ نقش مٹ گیا، مگر اس کے طلسم سے
ذرّوں میں زندگی ہے غزلخواں اسی طرح

وہ شمع بجھ گئی مگر اُس کے فروغ سے
بزمِ وطن ہے بزمِ چراغاں اسی طرح
پرکھو تو اُس کی طبع سخن ساز کا کمال
ہیں سب حریف سربگریباں اسی طرح
دیکھو تو اس کے کوکبِ اقبال کا عروج
سہمی ہوئی ہے گردشِ دوراں اسی طرح
بالیدہ ہے زمین وطن کی نمو میں وہ
مضطر ہے مثلِ شعلہ ہمارے لہو میں وہ

داستانِ حرم

(عید قربان ۱۹۴۹ء)

گیا وہ دَور کہ زنجیر نطق تھے اغیار
گیا وہ دَور کہ کھلتی نہ تھی زبان حرم
نجوم و شمس و قمر کے صنم گدوں پہ سے
رواں ہے آنسوئے افلاک کاروان حرم
نئے ثوابت و سیّار ڈھل رہے ہیں یہاں
مثالِ شعلہ فروزاں ہے کہکشانِ حرم
ہمارے ہاتھ میں ہے اب وہ تیغ جوہردار
غلاف میں بھی رہی ہے جو پاسبانِ حرم

پہنچ رہا ہے غبار زمیں ثریا تک
گواہی دیتے ہیں اس پہ مسافرانِ حرم

عجیب لوگ ہیں ہم کشتگانِ مسلکِ ناز
نہ رہروانِ تمنّا نہ زایرانِ حرم

رواں ہیں جانبِ مقتل کہ ہم ہیں صیدِ وفا
حصار امن میں بیٹھیں کیوں زائرانِ حرم

کہاں سے لاؤں زبانِ شرح مدعا کیلئے
غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

اقبالؒ

جب خزاں تھی پتّے پتّے کیلئے پیغامِ موت
تجھ کو وہ ہنگامہ اے فصلِ بہاراں یاد ہے
جب فضائیں شعلہ پر در تھیں ہوائیں دردناک
تجھ کو وہ منظر بھی اے صحنِ گلستاں یاد ہے
سینۂ گیتی پہ لہراتے تھے جب ظلمت کے سانپ
کچھ تجھے وہ ماجرا اے صبحِ خنداں یاد ہے
جب مری دُنیا میں تجھ کو اذنِ تابانی نہ تھا
تجھ کو وہ اندھیرا اے مہرِ درخشاں یاد ہے
جب بجھے جاتے تھے سینے میں امیدوں کے چراغ
وہ جو اِک قندیل تھی تنہا فروزاں یاد ہے

جب لبوں پر ہیبتِ اغیار تھی مہرِ سکوت
وہ جو تھا بے باک و بے پروا غزل خواں یاد ہے

خوفِ سلطانی سے جم جاتا تھا جب دل میں لہُو
فاش کرتا تھا جو رازِ میر و سلطاں یاد ہے

مہر و مہ ڈھلتے تھے جس کی کارگاہِ فکر میں
وہ قلندر تجھ کو اے گردونِ گرداں یاد ہے

اے وطن کی سرزمیں اے مرکزِ ایمان و دیں
تجھ کو وہ ناموسِ ملّت کا نگہباں یاد ہے

اے زمینِ پاک، اے لاہور، اے ارضِ قدیم
تجھ کو اپنے آسماں کا مہرِ تاباں یاد ہے

سجدہ گاہِ عاشقاں، اے مسجدِ اورنگ زیب
تیرا ہمسایہ ہے اک مردِ مسلماں یاد ہے

اے ملوکیّت تجھے باوصفِ صد جاہ و جلال
وہ جو اک نشتر تھا پیوستِ رگِ جاں یاد ہے

بہاریہ

(۱)

بہار

لالۂ رنگیں سے روشن ہے شبستانِ بہار
لالۂ رنگیں کہ ہے شمع فروزانِ بہار

اس تکلف؛ اس لطافت سے چلی بادِ نسیم
نغمہ پیدا ہو گئی اک موجِ رقصانِ بہار

نیلوفر، نیلم ہے گویا، موتیا، الماس ہے،
کیا مرصع ہے جواہر سے گریبانِ بہار

---

(۲)

شامِ بہار

ضوفشاں ہے فلک پہ ماہِ مبیں
چاندنی سے چمک اُٹھی ہے زمیں
ہوگئی ہے ہر ایک شے سیمیں
تابشِ نور کا جواب نہیں
خاک پر سر بسر ہے بارشِ نور
تا بہ حدِ نظر ہے بارشِ نور
غرق ہیں نور میں جو دشت و دمن
پھول مثلِ چراغ ہیں روشن
صحنِ فردوس ہے زمینِ چمن
گلفشاں ہے نگاہ کا دامن
لہلہاتے ہیں سبز پوش درخت
ہو گئے ہیں شراب نوش درخت

(۳)

بہار اور عشق

گلاب کی شگفتگی سے زینتِ بہار ہے
ہوا کی نکہتوں سے کائنات مشکبار ہے
چمن میں ایک سیلِ رنگ و نو بے قرار ہے
فروغِ ماہتاب سے نگاہ زرنگار ہے
نگاہ زرنگار ہے فروغِ ماہتاب سے
ہجوم لالہ و سمن سے باغ جلوہ خیز ہے
لطافتِ نسیم سے شمیم عطر بیز ہے
نوائے اہلِ درد سے فضا سرود ریز ہے
فسانۂ شباب سے شراب نغمہ تیز ہے
شرابِ نغمہ تیز ہے، فسانۂ شباب سے

لطافتوں کے جوش میں ہے عشق سرنگونِ غم
بلائے اضطرابِ دل مصیبتِ جنونِ غم
نشاطِ زارِ زندگی پہ چھا گیا فسونِ غم
بہار کے رباب سے ٹپک رہا ہے خونِ غم
ٹپک رہا ہے خونِ غم بہار کے رباب سے

---

(۴)

بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

فروغِ ماہ سے کیا جگمگا رہی ہے بہار
گلوں میں نور کی شمعیں جلا رہی ہے بہار
زمینِ باغ کو جنت بنا رہی ہے بہار
شرابِ حُسن کے ساغر پلا رہی ہے بہار
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

چمن بہشت ہے موجِ شراب نرمِ کیف
برس رہی ہے گلِ مدعا پہ شبنمِ کیف
یہی نشاط کے دن ہیں یہی ہے عالمِ کیف
کہ ذرہ ذرہ ہے بزمِ جہاں کا محرمِ کیف
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

فروغِ رنگ سے گلنزار شعلہ زار بھی ہیں
فضائیں حسن کی نکہت سے مشکبار بھی ہیں
دلوں میں درد کے انداز بے قرار بھی ہیں
مسرتوں کے یہ دن جانِ روزگار بھی ہیں
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

ربابِ عشق میں لرزاں ہے اک ترانۂ ناز
جمی ہوئی ہے ابھی محفلِ شبانۂ ناز
ابھی زبانِ محبت پہ ہے فسانۂ ناز
یہ تجھ سے کون کہے اے نگار خانۂ ناز
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

گئی بہار زبانوں پہ نام باقی ہے
خیال کی تپش ناتمام باقی ہے
مئے نشاط کا بس ایک جام باقی ہے
فروغِ ماہ کی بس ایک شام باقی ہے
بہار بن کے چلی آ کہ جا رہی ہے بہار

(۵)

بہاریہ

(۱)

بہار کی سحر کاریوں سے ہؤا گلستاں تمام رنگیں
فروغ گلنار و یاسمن سے نگاہ روشن ہے شام رنگیں
وہ ساقیِ ماہتاب پیکر، وہ ہاتھ میں اس کے ساغر زر
نشاط پرور بہار منظر، گہر نما لالہ فام رنگیں
فضا میں ہے اک نوائے شیریں ہوا میں ہے اک صدائے سیمیں
کسی کا جلوہ ہے یہ نگاریں کہ ہیں در و دشت و بام رنگیں
چمن چمن بلبلیں نوا زن بہار کے مطربان پرفن
شباب سے جان عشق روشن شراب سے رُخ جام رنگیں
وہ بادہ نوشی، وہ بت پرستی وہ حوصلوں کی دراز دستی
وہ بے خودی، وہ زمان ہستی کہ صبح روشن تو شام رنگیں

(۲)

وہ غنچۂ باغ نوجوانی ہے ایک تصویرِ شادمانی
نظر فسوں گر خرام دلکش مزاجِ شیریں کلام رنگیں

ہوئے یہ انداز دیکھ کر غش تمام گل رو تمام مہوش
کسی کی شانِ جمال دلکش کسی کی طرزِ خرام رنگیں

غروب خورشید عالم آرا نے کاکلِ شام کو سنوارا
ہوا ہے گل کاریٔ شفق سے وہ اشہب تیز گام رنگیں

کنارِ راوی پہ ہے چراغاں بنے ہیں دشت و دمن پرستاں
بنانِ لاہور گل بداماں عقیق لب شاد کام رنگیں

اٹھائے جا لطف زندگانی بہار ہے زندگی کی فانی
لکھا ہے فطرت نے برگہائے گلاب پہ یہ پیام رنگیں

جمال تائیس کا ادا ئیل کی حسیں کافرہ کی عابد
پھر اس پہ سیفو کی خوش بیانی سے بڑھ کر اسکا کلام رنگیں

(۶)

شاہدرے کی ایک شامِ برشگال

وہ کالی کالی گھٹائیں وہ ہلکی ہلکی پھوار
وہ دھن ملہار وہ دھیمے سروں کی شیرینی
رچے ہوئے وہ ہوا میں کسی کے میٹھے بول
"بہار بیت گئی تم نے کیا خبر لینی"
روش پہ دور وہ کیا مہ جبیں ہیں محوِ خرام
جو دے رہے ہیں دلوں کو صلائے بے دینی
جھلک رہی ہے ادا سے شباب کی مستی
بھلا نقاب میں کیا چھپ سکے یہ رنگینی
وہ آنکھ اٹھا کے بھی دیکھیں تو آبشارِ حیا
وہ سر جھکا کے بھی آئیں تو رنگِ خود بینی

وہ چوڑیوں کی چھنک وہ کلائیوں کی چمک
وہ پیرہن سے نمایاں بدن کی رنگینی
ہتیلیوں پہ وہ مہندی کے نقش مہتابی
وہ آنچلوں کے ستاروں میں شان پروینی
وہ ناخنوں کے نکیلے سروں کا خونیں رنگ
وہ نیم کاستہ زلفوں کی عطر آگینی

(۷)

بہار راگنی کا رُوپ

رت نئی آئی نئے پھول نئی بیل بہار
نئی کلیوں پہ نکھار

جس طرف جائے نظر پھول رہی ہے سرسوں
آون آون جو پیا کہہ گئے بیتے برسوں
کیا کرے کوئی سنگار

رت نئی آئی نئے پھول، نئی بیل بہار
چھائی بدری کاری
جھولنے کے لئے آئی ہے برج کی ناری
تیکھی چتون کی رہی جیت کٹاری ہاری
آنکھ وہ متواری

دیکھ جادو کی طرح آنکھ میں جا گا کاجل

چمپئی رنگ کے سونے پہ سہاگا کاجل

دیکھ کاگا کا جل

آئی برج کی ناری   گائے باری باری

"چوریاں مرک گئیں، چھوڑ دو موری بیاں

رات سوتن کے رہے سانج بتاؤ سیاں

میں پڑت ہوں پیاں

رت نئی آئی نئے پھول نئی بیل بہار

نئی کلیوں پہ نکھار

پاؤں بلور کے ٹکڑے ہیں کہ سچے ہیرے

گوری گاگر نہ چھلک جائے چلو تم دھیرے

جو نظر لاگی رے!

رت نئی آئی نئے پھول نئی بیل بہار

نئی کلیوں پہ نکھار

جس طرف جائے نظر پھول رہی ہے سرسوں

کیفیّت بہ نسبتِ رنگ

(۱)

آسماں پر انجمن تاروں کی ہے دنیائے رنگ
ساغرِ مہتاب میں بیتاب ہے صہبائے رنگ
ان کا چہرہ ہے کہ رقصِ نور ہے بالائے نُور
ان کا جلوہ ہے کہ موجِ رنگ ہے بالائے رنگ
اُس تعلق پر بھی یہ فرقِ مراتب اے خدا
عشق ساغر زہر کا ہے حُسن ہے مینائے رنگ
میرا عشقِ جاوداں ہے مسندآرائے جنوں
تیرا حسن گلفشاں ہے انجمن آرائے رنگ

پھر حسینوں نے کیا لیا زیبِ بدن رنگیں لباس
عالمِ ایجاد یکسر بن گیا پہنائے رنگ
ان کے جسمِ نازنیں کی زرنگاری کیا لکھوں
زینت آرائے دیارِ ناز نور افزائے رنگ
حسن کے جلووں کی رعنائی بہشتِ ناز تھی
عشق میں نظروں کی دنیا بن گئی دنیائے رنگ
دیکھتا ہوں ذرّے ذرّے کو نقابِ نور میں
میری آنکھوں پہ ہے عابدؔ پردہ زیبائے رنگ

(۲)

آپ کا زرتار دامن کارواں رنگ ہے
لہریا آنچل غبارِ کہکشانِ رنگ ہے
پاؤں پر نقش حنا ماتھے پہ ٹیکا صندلی
یہ زمینِ رنگ ہے وہ آسمانِ رنگ ہے
کیا تماشا ہے کہ نغموں پر ہے دھوکا نور کا
کیا تماشہ ہے کہ نکہت پر گماں رنگ ہے

داستانِ رنگ ہے صحنِ چمن میں کشتِ گل
بلبلوں کا شور شرحِ داستانِ رنگ ہے
نیلوفر، نیلم ہے گویا، اوتیا الماس ہے
آج ہر جنسِ چمن، جنسِ دکانِ رنگ ہے
رنگ و نغمہ کے سوا ہے اور کیا عابدؔ کے پاس
رازدانِ نغمہ ہے افسانہ خوانِ رنگ ہے

(۳)

سبز رنگوں سے ہے تعمیرِ جمال
رنگ کی لہر ہے زنجیرِ جمال
رنگ، اے گلشنِ ہستی کے فروغ
رنگ، اے خالقِ تقدیرِ جمال
رنگ ہوتا ہے رخِ آرائے بہار
رنگ رہتا ہے عناں گیرِ جمال
رنگ ہے غازۂ رخسارِ نگار
رنگ ہے پیکرِ تصویرِ جمال

گردشِ رنگ، نشاطِ لرزاں
لرزشِ رنگ پہ تنیرِ جمال
رنگِ روشن ہے بہ رعنائیِ ناز
رنگ رقصاں ہے بہ تاثیرِ جمال
رنگ کے لوچ میں ہے راگ کا لوچ
رنگ ہے موجبِ تشہیرِ جمال
سبز رنگوں کی مہک آتی ہے
رخِ مستی پہ چمک آتی ہے

سراپا

(۱)

اسی سے جادوئے بابل کی شمع روشن تھی
جو رنگِ ناز تری چشمِ نیم خواب میں ہے
بنے تھے جس کی لطافت سے جسم پریوں کے
اُسی بہار کی خوشبو ترے شباب میں ہے

(۲)

فروغِ مہتاب اِک فسانہ ہے اس کے رخسارِ آتشیں کا
بہارِ فردوس اِک ترانہ ہے اُس کی رنگینیٔ جبیں کا
یہ تابشیں جسمِ مرمریں کی یہ رنگ ملبوسِ ریشمیں کا
شرارہ ہے آتشِ وفا کا ستارہ ہے عرشِ ہفتمیں کا

یہ گیسوئے مشکبار اس کا۔ یہ جلوۂ زرنگار اس کا
بسا ہوا ہے شباب جس میں تمام گلہائے نازنیں کا
یہ اور بھی پر لگے ہوئے ہیں نگاہ کے تیرِ دلنشیں کو
لرز رہا ہے شرابِ غم سے جو میکدہ چشمِ سرگیں کا
جبیں کی رنگینیوں پہ سائے غمِ محبّت کے چھا گئے ہیں
ہٹیں جو یہ بادلوں کے ٹکڑے چمک اُٹھے چاند چودھویں کا

(۳)

پھر وہی جلوۂ انوار فشاں دیکھا ہے
پھر اسی حُسن کے دریا کو رواں دیکھا ہے
مڑ کے دیکھا ہے جو اس ماہِ لقا نے مجھ کو
یاد آئے ہیں محبّت کے فسانے مجھ کو
کیا نشیلی تھیں نگاہیں کہ صنم خانۂ ناز
کیا اشاروں میں بیاں کرتی تھیں افسانۂ ناز
نغمہ پرداز وہ رفتار وہ نیلی چتون
دل کے سب تار لرزنے لگے چھن چھن چھن چھن

وہ تبسم کی لطافت کہ الٰہی توبہ!
وہ اشاروں کی نزاکت کہ الٰہی توبہ
پاس وہ آئیں تو جنت کی ہوائیں آئیں
کان میں دل کے دھڑکنے کی صدائیں آئیں

(۴)

آنکھ اس فتنۂ دوراں سے لڑی کیا کہنا
آج تقدیر مری جاگ پڑی کیا کہنا
تری زلفیں ہیں کہ ساون کی گھٹائیں توبہ
تیرا قامت ہے کہ پھولوں کی چھڑی کیا کہنا
ہونٹ ترشے ہوئے یاقوت کے رنگیں ٹکڑے
دانت ہنستے ہوئے ہیروں کی لڑی کیا کہنا
وہ تبسم وہ جھپکتی ہوئی پلکیں عابدؔ
دل میں اب تک ہے وہی پھانس گڑی کیا کہنا

---

(۵)

سرِ رخسارِ مژگاں کو پرافشاں پھر بھی دیکھوں گا
دمِ گفتار آویزاں کو لرزاں پھر بھی دیکھوں گا

کسی کے ہاتھ میں پھولوں کے گجرے پھر بھی مہکیں گے
کسی کے پاؤں میں کفشِ زرافشاں پھر بھی دیکھوں گا

کسی کے ریشمیں آنچل میں جگنو پھر بھی چمکیں گے
کسی کے صندلی ماتھے پہ افشاں پھر بھی دیکھوں گا

وہ گردن موڑ کے جوڑے کی زیبائی دکھائیں گی
ڈروں گا پر یہ مارِ عنبر افشاں پھر بھی دیکھوں گا

ہنسے گا اوٹ میں آنچل کی ان کا چاند سا چہرا
یہ تصویرِ چراغِ زیرِ داماں پھر بھی دیکھوں گا

حریرِ سبز کا جوڑا وہ پھولوں میں لبسائیں گی
بہاراں پھر بھی دیکھوں گا پرستاں پھر بھی دیکھوں گا

گھنیری زلف کی چھاؤں میں نیند آئے گی عابدؔ کو
یہ منظر یہ فضائے شامِ ہجراں پھر بھی دیکھوں گا

(٦)

سُن تو اے سروِ سرکشیدۂ ناز
تیرے جلوے ہیں نورِ دیدۂ ناز
بہ ملاحت شکر فشانِ ادا
بہ صباحت نمک چشیدۂ ناز
کیا تکلم ہے عکسِ ریزِ جمال
کیا تبسّم ہے آفریدۂ ناز
ترا مضمونِ حُسن کیا کہئے
سارے انداز خط کشیدۂ ناز

(۷)

آج پھر اس کو گلستاں میں خراماں دیکھا
رنگ کو رقص میں نکہت کو پرافشاں دیکھا

گوشۂ باغ میں اک مہرِ منور چمکا
افقِ ناز پہ اک ماہِ درخشاں دیکھا

جس کی تابش سے کبھی بزمِ وفا روشن تھی
آج اس شمع کو محفل میں فروزاں دیکھا

پھر درِ دل پہ جنوں آکے پکارا ہشیار
پھر وہی سلسلۂ زلفِ پریشاں دیکھا

جانے کیا دیکھ لیا آج کہ باسوز و گداز
ہم نے عابدؔ کو سرِ راہ غزل خواں دیکھا

(۸)

یہ زلفِ رسا ہے کہ سوادِ شبِ فردوس
یہ جلوۂ رخسار ہے یا مطلعِ انوار

یہ چشمِ فسوں کار ہے یا جادوئے بابل
یہ لعلِ فسوں ساز ہے یا مخزنِ اسرار

تو نغمۂ رقصاں ہے شبستاں بہ شبستاں
تو نکہتِ آوارہ ہے گلزار بہ گلزار

(۹)

قاسم انوار کا دیواں بیاض روئے دوست
رشکِ اشعارِ ہلالی مصرعِ ابروئے دوست

خلد کی اک شام رنگیں گیسوئے خوشبوئے دوست
حسن کی اک صبح روشن عارضِ نیکوئے دوست

رشکِ سحرِ سامریستاں لعلِ افسوں سازِ یار
نکتۂ جادوئے بابل نرگسِ جادوئے دوست

سُرخیٔ خونِ شہیداں غازۂ روئے نگار
حاصلِ فصلِ بہاراں دامنِ خوشبوئے دوست

اعتبارِ مشک اذفر زلفِ مشکینِ حبیب
گلبنِ گلزارِ جنت قامتِ دلجوئے دوست

اُس طرف جلتی ہے طاقِ عرش میں قندیلِ ماہ
اِس طرف روشن ہے رُوئے دوست سے مشکوئے دوست

اُس طرف تاروں کے خوشے زیبِ بزمِ آسماں
اِس طرف پھولوں کے گجرے زینتِ پہلوئے دوست

اُس طرف افسانہ خواں ہیں عندلیبانِ بہار
اِس طرف ہم داستاں ہیں مطربانِ کوئے دوست

شالامار باغ کشمیر

(شام کے وقت)

چھپ گیا دامانِ مغرب میں نگارِ آفتاب
بجھ گیا طوفانِ ظلمت میں شرارِ آفتاب
اشہبِ نوریں سے اترا، شہسوارِ آفتاب
ساغرِ خورشید سے چھلکی شرابِ لالہ فام
گیسوؤں کو آگئی کھولے ہوئے لیلائے شام
جس کی محفل میں ستارے رقص کرتے ہیں دوام
آسماں سے دیوِ ظلمت نے بڑھائے اپنے ہات
نوچ ڈالا اپنے چنگل سے لباسِ کائنات
یہ شفق کی احمریں موجیں ہیں یا خونِ حیات

دیکھ کر تاریکیاں ہوتا ہے دل کو اضطراب
سرو کے سائے میں لہراتی ہے یوں شاخِ گلاب
جس طرح غصّے میں ناگن کھا رہی ہو پیچ و تاب

ذرّہ ذرّہ اِس گلستاں کا شبستاں زاد ہے
موت کے سایوں میں یہ رنگیں چمن آباد ہے
ہر گلِ خنداں مجسّم اِک لبِ فریاد ہے

کس نزاکت سے گلوں پر پاؤں دھرتی ہے نسیم
سن رہا ہوں میں کہ ٹھنڈے سانس بھرتی ہے نسیم
مرنے والوں کی دل آرائی پہ مرتی ہے نسیم

عظمتِ ماضی تو مٹ جائے رہے وہ ارجمند
اپنی رعنائی پہ نادم ہے یہاں سروِ بلند
لالہ و گل کی ہنسی کیا ہے مگر اک زہر خند

دیکھتا ہے دیر سے یہ منظرِ حیرت فروش
کوہسارِ برف پوش و سخت کوش و بے خروش
دیکھیے کب اس سکوں پرور کو آتا ہے جوش

اے دل، اے دل

(۱)

نہ کھا غمِ ہائے دوراں اے دل، اے دل
نہ ہو مایوسِ حرماں اے دل، اے دل
خدا تیرا نگہباں اے دل، اے دل

بہاریں زندگانی کی ہیں فانی
اٹھا کم بخت لطفِ زندگانی
زمیں ہے گل بداماں اے دل، اے دل

گلِ مہتاب کی روشن جبیں پر
چنبیلی کی ردائے ریشمیں پر
ہوا ہے گوہر افشاں اے دل، اے دل

جوانی ہائے، دیوانی جوانی
وہ کیفِ مے وہ ذوقِ شعر خوانی
وہ عشقِ فتنہ ساماں اے دل اے دل
بلا سے ہو خفا وہ خوگرِ ناز
بہت رنگیں ادائیں برسرِ ناز
ہوئی یہ جنس ارزاں اے دل، اے دل
یہ ساغر زہر کا پینا پڑیگا
کہ مرنے کے لئے جینا پڑے گا
نہیں ہے موت آساں اے دل، اے دل

---

(۲)

اے دلِ افسردہ

اے دلِ افسردہ پینے کی بہاریں آ گئیں
کالی کالی بدلیاں پھر آسماں پر چھا گئیں
دامنِ کہسار سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی
نبضِ خس میں زندگی کا خون دوڑانے لگی
موتیے کے پھول گلزار دل میں لہرانے لگے
لالہ و نسریں کے جلوے رنگ پر آنے لگے

○

ہے کنارِ آبِ دریا ماہ پاروں کا ہجوم
جس طرح شاداب راتوں میں ستاروں کا ہجوم

کالے کالے آنچلوں میں اُن کے چہرے نور پاش
گھرے گھرے بادلوں میں بجلیوں کا ارتعاش
گلبدن گل پیرہن مہتاب رُخ تازہ آفریں
دل ربائی کی ادا کاری میں اعجاز آفریں
کچھ لگاوٹ کچھ حیا کچھ شوخیاں کچھ اضطراب
اپنے سائے سے گریزاں اپنے سائے سے حجاب
دلبری کے سب طریقے سادگی کے رنگ ہیں
سادگی کے سب طریقے دلبری کے رنگ ہیں

○

اے دلِ افسردہ! اے کم بخت! اے حسرت نصیب
اے فریبِ حسن کے پامال! اے فرقت نصیب
تو ہے اور اس بے وفا کی بے وفائی کے گلے
بے وفائی کے گلے! دردِ جدائی کے گلے
ہر طرف اک عالمِ کیف و طرب چھایا ہوا
اور تو اے بدنصیبِ شوق! مرجھایا ہوا

کیسے کیسے مہ جبیں ہیں نور پیکر برق تاب
دلنوازی کے لئے بے تاب ہے جن کا شباب

ان حسینوں کے اشاراتِ محبت دل فروز
جن کے جلوے دل ربا ہیں جن کی طلعت دلفروز

دلبری کے کیسے کیسے نکتہ داں موجود ہیں
سجدہ کرنا ہو تو کتنے آستاں موجود ہیں

التجا

کسی ناشادِ غم کو شاد فرما
کسی بھولے ہوئے کو یاد فرما
کبھی حرفِ کرم ارشاد فرما

تمنا کی منازل جاں گسل ہیں
محبت کی سلاسل جاں گسل ہیں
مجھے اس قید سے آزاد فرما

بہارِ حسن کی رنگینیوں سے
تبسم کی حسیں شیرینیوں سے
دیارِ شوق کو آباد فرما

عطا کر رخصتِ فریاد مجھ کو
تغافل سے نہ کر برباد مجھ کو
قتیلِ خنجرِ بیداد فرما

اِک شہر

بہارِ ناز کی محفل وہیں ہے فروغِ حسن کی منزل وہیں ہے
اگرچہ میں یہاں ہوں دل وہیں ہے

وہاں ایسے بھی ہیں کچھ ماہ پارے کہ شرما جائیں جن سے چاند تارے
زمیں میں آسماں شامل وہیں ہے

وہاں ذروں میں ہے رقصاں تمنا وہاں پھولوں میں ہے لرزاں تمنا
سکونِ جان و دلِ مشکل وہیں ہے

جنونِ عشق کو رسوا کروں گا جیا تو میں وہاں جا کر مروں گا
کہ میری ناؤ کا ساحل وہیں ہے

"ماضی"

مہ پیکروں میں عمر بسر کر چکا ہوں میں
پابندیٔ مذاقِ نظر کر چکا ہوں میں

رخصت کے وقت دیکھ چکا ہوں بہ چشم تر
دامن میں جمع لعل و گہر کر چکا ہوں میں

شاداب کر چکا ہوں بہارِ نشاط کو
آغوش میں کسی کی سحر کر چکا ہوں میں

عشرت میں بن چکا ہوں صنم خانۂ نشاط
سینے کو غم کی راہ گذر کر چکا ہوں میں

تنویرِ جلوہ ہائے لبِ بام کے لئے
آوارگی بہ ذوقِ نظر کر چکا ہوں میں

تابش کسی جگہ سے میسّر نہیں ہوئی
عابدؔ طوافِ برق و شرر کر چکا ہوں میں

دو ملاقاتیں اور وقت

"تھا اُس کا دیکھنا ہی سراسر خلافِ عقل
کمبخت جا پڑی ہے ہماری نظر کہاں"

(۱)

بزمِ دل جلوہ گہہ کاہ کشاں ہے ہمدم
سوئے در چشمِ تمنا نگراں ہے ہمدم
ان کے آنے کی خبر وردِ زباں ہے ہمدم

اس سے پہلے میری نظروں میں تھی دنیا تاریک
مہر و مہتاب تھے بے نور ثریا تاریک
آج پھر کون و مکاں کون و مکاں ہے ہمدم

شوق ہے محو بہ آرائش گیسوئے وفا
ذرے ذرے سے مجھے آتی ہے خوشبوئے وفا
ذرہ ذرہ نفسِ مشک فشاں ہے ہمدم

پیہم آتی ہے جو کانوں میں صدائے ساقی
ہے ادھر وجد میں محفل بہ صلائے ساقی
اور ادھر شیشۂ مے رقص کناں ہے ہمدم

(۲)

دُوسری مُلاقات

"بے خبر از عشق و از آئینِ عشق
صعوہ رد کردہ شاہینِ عشق"

○

مَیں الگ مہر بلب ہوں وہ جدا ہے خاموش
کیا کروں عرضِ وفا، سازِ وفا ہے خاموش
عشق پر نغمۂ بے سوز گراں ہے ہمدم
جس پہ مرتا تھا وہی حسنِ جنوں خیز ہے یہ
وہی رخسار وہی زلفِ دل آویز ہے یہ
کیا فسوں کاریٔ نیرنگِ زماں ہے ہمدم

جلوۂ راز کی ہلکی سی جھلک باقی ہے

نکہتِ ناز کی پھیکی سی مہک باقی ہے

وہ طلسمات کی تصویر کہاں ہے ہمدم

گُلِ امید جو تھا زینتِ دامانِ خیال

افقِ دل پہ جو روشن تھی کبھی شمع جمال

وقت کے کون سے کہرے میں نہاں ہے ہمدم

(۴)

اور وقت

"ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں"

○

وقت ہی غازہ خوں ہے رخِ مستی کے لئے

وقت ہی تیغِ رواں ہے رگِ ہستی کے لئے

وقت ہی مرہمِ عمرِ گذراں ہے ہمدم

پھر تصوّر نے تراشا ہے نیا آج صنم
ہائے وہ لعلِ فسوں ساز وہ زلفِ برہم
آج پھر قافلۂ عشق رواں ہے ہمدم
کاش پھر دل کے افق پہ وہ ستارا نکلے
کاش پھر وقت کے محمل سے وہ لیلا نکلے
دُور ہو کر جو قریبِ رگِ جاں ہے ہمدم
حسن اتنے ہی پہ راضی کہ ہو مطلوبِ نیاز
عشق کی راہ کٹھن اس کا سفر دور دراز
عشق کی منزلِ مقصود کہاں ہے ہمدم

خودنگری

(۱)

اسیرِ علم و فن ہے عابدؔ دیوانہ برسوں سے
بہت بے آب ہے یہ گوہرِ یکدانہ برسوں سے
دیارِ آرزو کے بام و در پر چُپ مسلّط ہے
نہیں گونجا ہے میرا نعرۂ مستانہ برسوں سے
سوال اُٹھتا ہے اکثر محفلوں میں نازنینوں کی
کہ میرا دل ہے کس کی شمع کا پروانہ برسوں سے
نہیں رکھتا سرِ شوریدہ اپنا آستانوں پر
نہیں سُنتا حریمِ ناز کا افسانہ برسوں سے

مرے پرہیز سے ضد ہو گئی ہے مہ جبینوں کو
کہ شبخوں ہو رہے ہیں قلب پر ترکانہ برسوں سے

مرا ذوقِ نظر مصروف ہے کسب فضیلت میں
ترستا ہے نظر کو جلوۂ جانانہ برسوں سے

بہت مدت ہوئی نظریں نہیں اٹھتیں حسینوں پر
خفا ہیں مجھ سے یعنی نرگس و ریحانہ برسوں سے

صنم زارِ تصور میں تراشے نو بنو جلوے
مگر دیکھا نہیں جا کر درِ بت خانہ برسوں سے

میں اپنی آگ میں خود جل رہا ہوں یہ سے عابدؔ
نہیں کرتا طوافِ آتش بیگانہ برسوں سے

---

(۲)

عنادل کو نہیں ملتا مقامِ گفتگو برسوں
رہا ہوں میں چمن میں رازدارِ رنگ و بو برسوں

سنو اے ہمنشینو! چند کلیوں پر نہ اتراؤ
نہالِ علم کو میں نے پلایا ہے لہو برسوں

بنائے ہیں، بگاڑے ہیں بہت نقشے محبت کے
اٹھائی ہے بچھائی ہے بساطِ آرزو برسوں

مرے ہاتھوں میں ڈسے ہیں، مرے کالے ناگ کھیلے ہیں
مرے سینے پہ لہرائی ہے زلفِ مشکبو برسوں

نہیں رکھی جبیں عابدؔ کسی کے آستانے پر
دیارِ ناز میں پھرتا رہا ہوں کو بکو برسوں

(۳)

غزل کہتا ہوا پھر عابدؔ دیوانہ آپہونچا
اٹھا ساقی سبوِ محفل سے خود میخانہ آپہونچا
صدا آنے لگی سازِ محبت کے ترانوں کی
سُن اے افسانہ خواں! خود حاصل افسانہ آپہونچا
کوئی کہہ دو یہ جاکر ماہِ پیکر نازنینوں سے
چراغِ دلبری روشن کرو، پروانہ آپہونچا
چلو، اے ہمدمو پردے اٹھائیں بزمِ خوباں کے
دیارِ نازنیں پھر عشق بے باکانہ آپہونچا
خِرد سہمی ہوئی اک گوشہ ویراں میں بیٹھی ہے
جنوں عابدؔ بہ شان و شوکتِ شاہانہ آپہونچا

رُباعیات

ساغر میں ہمارے بادۂ غم ہی سہی
امیدِ نشاطِ زندگی کم ہی سہی
کھلتی نہیں گر زباں ترانوں کیلئے
اے ہمنفسو نوائے ماتم ہی سہی

○

ہر چند نئی سنائی بولی تم نے
اُلجھی ہوئی اِک گرہ نہ کھولی تم نے
لفظوں کے اُلٹ پھیر سے اے ہم نفسو
کھیلی ہے بہت آنکھ مچولی تم نے

○

میں اور مجھے ملا کے لے جامِ عسل
ساقی سے ہے مجھ کو بدگمانی کا محل
یا دیجیے ساتگینِ خوناب مجھے
یا کیجیے زہر میں مئے ناب کو حل

اِک داغِ بہار ہے کہ پھولوں کی مہک
اِک موجِ غبار ہے کہ سبزے کی لہک
افسردہ ہیں صبح و شام یخ بستہ ہے دل
اے آتشِ شوق میرے سینے میں دہک

پیمانۂ اعتبار دوزخ نہ بہشت
تصویرِ حریمِ یار مسجد نہ کنشت
اے دیدہ ورو نظر کا اسلوب ہے یہ
نقشِ ورقِ حیات زیبا ہے نہ زشت

دے زہر ملا کے ساقیا ساغر مے
افسانۂ حسنِ یار ہوتا نہیں طے
سینے میں ہے اس بجھی ہوئی آگ کا نور
کانوں میں ہے اس سنے ہوئے راگ کی لے

○

گیسوئے مشکیں ختن ختن کیا کہنا
چہرہ رنگیں چمن چمن کیا کہنا
شوخی کے سنگار پر جوانی کا نکھار
یہ چھب یہ پھبن یہ بانکپن کیا کہنا

○

آخر شب فرقت کی سحر ہو کے رہی
امید نہ تھی مجھ کو مگر ہو کے رہی
افسانۂ زندگی کا حاصل یہ ہے
ہر طرح سے زندگی بسر ہو کے رہی

○

زہراب غم حیات پینا ہوگا
جس طرح سے بن پڑے گا جینا ہوگا
میں جانتا ہوں اپنے گریباں کا مآل
خود چاک کروں گا خود ہی سینا ہوگا

یک خم خانہ مے

ساقی نامے

اور اسی اسلوب کی دیگر نظمیں

ساقی نامہ

بیا ساقی آئینِ جم تازہ کن　　طراز بساطِ کرم تازہ کن

سرِ فتنہ دارد دگر روزگار

من و مستی و فتنۂ چشمِ یار

(حافظؒ)

(۱)

فسونِ خرد سے ہے دل تلخ کام

پلا ساقیا بادۂ لالہ فام

دلِ شادماں ہے نہ طبع جواں

مجھے کھا گئی فکرِ سود و زیاں

نہیں کم یہ شرمندگی ساقیا

کٹی رائیگاں زندگی ساقیا

پلا ساقیا بادۂ مشکبو
رگوں میں مری جم گیا ہے لہو
نہ دردِ محبت نہ ذوقِ جنوں
نہ وہ گریۂ خوں نہ سوزِ دروں

(۲)

مغنی کوئی نغمۂ دردناک
جسے سُن کے ہو جائے دل چاک چاک
درت میں کدارا بجا چنگ پر
کہ آئے طبیعت مری رنگ پر
سنا کوئی پنجاب کی داستاں
کہ دل پر ہے بارِ محبت گراں
وطن ہے میرا حُسن کی سرزمیں
کمی اس جگہ دلبروں کی نہیں
یہاں رنگِ آدابِ محفل نہیں
یہاں جمع اربابِ محفل نہیں

یہاں دہلوی خوش کلامی نہیں
اصولِ زباں کی غلامی نہیں
یہاں خنجرِ ناز ہے خوں فشاں
یہاں خاک کا رنگ ہے ارغواں
یہاں سوز میں ساز پانی میں آگ
یہاں جوگ میں مل گیا ہے بہاگ
یہاں موت سے کھیلتا ہے جنوں
یہاں روز بہتا ہے دریائے خوں
یہاں کوہساروں میں رقصاں ہے عشق
یہاں جوئباروں میں لرزاں ہے عشق
یہاں نوجوانوں سے ڈرتی ہے موت
یہاں مرنے والوں پہ مرتی ہے موت
سُنا مجھ کو افسانۂ عشق ہیر
ذرا چھیڑ دھیمے سروں میں ہمیر
بجا اس طرح میٹھی میٹھی بہار
کہ یاد آئے مجھ کو بُتِ گلعذار

(۳)

وہ شیریں ادا فتنۂ عقل و ہوش
جسے دیکھ کر کھو گیا تھا سروش
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن
وہ شیریں ادائی وہ رنگیں شباب
جسے دیکھ کر زرد ہو آفتاب
وہ چہرہ تھا ظالم کا نکھرا ہوا
کہ چاروں طرف نور بکھرا ہوا
پھبن بانکپن سادگی دل کشی
غرض یہ کہ مجموعہ دلبری

(۴)

مغنی وہ عالم مجھے یاد ہے
نوازش وہ پیہم مجھے یاد ہے

وہ اس مہ جبیں کی محبّت کا دَور
محبّت کا عہد اور عشرت کا دَور
وہ برسات کے دن وہ دریا کی سیر
وہ گلزارہائے تمنا کی سیر
وہ قول اور اقرار قسموں کے ساتھ
وہ سیرِ چمن ہاتھ میں دے کے ہاتھ
وہ کہنا کہ "میں آپ کی ہو چکی"
"تمہیں دیکھ کر اپنا دل کھو چکی"
مغنی وہ عہدِ وفا خواب تھا
محبّت کا سب ماجرا خواب تھا
کہاں سے اب آئیں وہ لیل و نہار
جنہیں کھا گئی گردشِ روزگار
نہ محفل رہی وہ، نہ ساقی رہا
فسانہ محبت کا باقی رہا
گیا حُسن خوبانِ دل خواہ کا
رہا نام باقی بس اللہ کا

(۵)

پلا ساقیا بادۂ آتشیں
بہت کھا چکا ہوں فریبِ یقیں
کتابوں سے رغبت رہی ہے مجھے
ادیبوں سے اُلفت رہی ہے مجھے
عراقی کی اکثر پڑھی ہے غزل
کیئے ہیں مسائل تصوف کے حل
پلا ساقیا بادۂ خوش گوار
کہ علم و خرد سے ہے دل تار تار
بہت کھا چکا ہوں فریبِ وفا
پلا بادۂ آتشیں ساقیا
مغنی سنا مجھ کو اشعار تر
ٹپکتا ہو لفظوں سے خونِ جگر
سنا اس طرح کی غزل دردناک
کہ عابدؔ کا دل جل کے ہوجائے خاک

(۶)

کہانی ہم اپنی سُنانے لگے
وہ مُنہ پھیر کر مسکرانے لگے

حیا سے جو کرتے نہ تھے ہم سے بات
وہ باتوں میں ہم کو اڑانے لگے

دئے حُسن نے ایسے ایسے فریب
کہ ہم عشق سے جی چرانے لگے

وہ پہلو میں ہیں اور شامِ بہار
یہی خواب رہ رہ کے آنے لگے

وہ سُن لیں جو عابد کی رنگیں غزل
تو محنت ہماری ٹھکانے لگے

چاندنی رات

(دو منظر)

(نذرِ حسن)

وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتّے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھلکتے ہوئے
نشے کا سا عالم گلستان پہ
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پہ

(میر حسن دہلوی)

ابھی تک تیرے ساغر میں درخشاں ہے مئے باقی
ادر کا سا و ناولہا الا یا ایہا ساقی
جم و کسریٰ کی عظمت گم ہے پارس کی زمینوں میں
زبانوں پر ہے اب تک داستانِ حسن و مشتاقی

(عابد لاہوری)

○

(ا)

وہ مہتاب کا نور وہ آب و تاب
کسی بُت کے مُنہ پر سنہری نقاب
فضاؤں میں انوار کھوئے ہوئے
شعاؤں میں موتی پروئے ہوئے
وہ جلوے ہواؤں میں بکھرے ہوئے
وہ ذرے گلستاں کے نکھرے ہوئے
وہ شبنم سے بھیگا ہوا سبزہ زار
کہ فرشِ زمرد پہ ہیروں کے ہار

وہ جلووں میں نغمے وہ نغموں میں رنگ
کہ تارِ بریشم میں رگہائے سنگ
وہ گلزار میں چاندنی کی بہار
رواں ہر طرف نور کا آبشار
وہ چاروں طرف نور چھایا ہوا
وہ سارا جہاں جگمگایا ہوا
وہ راوی کی لہروں پہ کرنوں کا ناچ
کوئی جس طرح گا رہا ہو کھماچ
وہ پانی میں عکسِ گلِ ماہتاب
کہ جیسے کنول میں کھلا ہو گلاب
اب اک اور تشبیہ دوں بے مثال
سمندر میں چاندی کے سونے کا تھال
وہ لہروں پہ کرنوں کی سیمیں لڑی
کوئی جس طرح چھوڑ دے پھلجھڑی
کشاکش وہ موجوں کی وہ پیچ و خم

حسینوں کی یا ہا تھا پائی بہم
کوئی باغ میں گا رہا ہے بہاگ
بھڑکنے لگی میرے سینے میں آگ
وہ گت میٹھی میٹھی وہ لے دردناک
کہ ہو جائے دامانِ دل چاک چاک
وہ آواز میں لوچ وہ سوز و ساز
کہ پتھر کے دل میں ہو پیدا گداز
لگاتا ہے اس طرح سے کوئی تان
کہ ہر تان کے ساتھ کھنچتی ہے جان
کسی نے وہ گائی غزل برق ریز
کہ نبضِ جنوں جس سے ہو جائے تیز
جوانی گئی، زندگانی گئی
محبّت کی رنگیں کہانی گئی
خدایا وہ دنیا بھی ہو گی کہیں
جہاں عشق کی بات مانی گئی

نہ پایا کسی نے محبت کا بھید
بہت دیر تک خاک چھانی گئی

مبارک ہے میری جوانی کی موت
کہ یوں آپ کی بدگمانی گئی

ہؤا ان سے جس دن سرِ عابد جدا
غزل کی وہ رنگیں بیانی گئی

(۲)

وہ دریا کنارے درختوں کی شان
کسی سلطنت کے جواں پاسبان

بلندی کی ہر شان سے ارجمند
سر آوردہ و سرکش و سربلند

گھنے ان کے سائے وہ ظلمت نگار
جہاں چاندنی کا نہیں ہے گذار

یہاں آبِ دریا بھی خاموش ہے
کسی خوف سے موج روپوش ہے

یہاں گرمیٔ نغمہ دل نہیں

سکوں کے سوا کوئی بھی شے نہیں

صفیں وہ درختوں کی دونوں طرف

کہ دیووں کی فوجوں نے باندھی ہے صف

یہاں گم ہوئی موج کی بے کلی

یہاں آکے دریا نے چپ سادھ لی

یہاں دیر سے حکمراں ہے سکوت

یہاں کارواں کارواں ہے سکوت

(۳)

یہ دونوں مناظر ہیں یکسر فریب

(اگرچہ بہت روح پرور فریب)

فریبِ نظر ہیں بہار و خزاں

فریبِ نظر ہیں زمین و زماں

فریبِ تخیّل ہے کل کائنات

فریبِ تخیل ہے موت و حیات

فریبِ تخیّل ہے بزمِ شہود

بس اک ذات ہے اسکی اصلِ وجود

باز ایں چہ آفت است نہال امید را
امسال ہم شگوفہ فشاند و ثمر نشد

نہیں بھولتا اُن کی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا
(حالیؔ)

دلِ بے قرار و غمِ ناگہاں
پلا ساقیا بادۂ ارغواں
سکوں کوئی حاصل نہ ہو یوں مجھے
تو دے زہر میں گھول کر خوں مجھے
مغنّی! اُس اے فتنۂ عقل و ہوش
لہو سے ہوا دل کفِ گُل فروش
کوئی چیز، اے ماہ پارا بجا
سُریلی دُھنوں میں کدارا بجا
مغنّی وہ عالم مجھے یاد ہے

جُدائی کا ماتم مجھے یاد ہے
سرِ شام وہ اُن کا جانا ہے یاد
مجھے آج تک وہ فسانہ ہے یاد
گئیں اور ذوقِ فغاں دے گئیں
نشانِ غمِ بے نشاں دے گئیں
گئیں اور پابندِ غم کر گئیں
یکایک نگاہوں سے رم کر گئیں
مرے دل کی شادابیاں لے گئیں
وہ ساتھ اپنے دونوں جہاں لے گئیں
رگوں میں ٹھٹھر سی گئی موجِ خوں
خزاں ہو گیا لالہ زارِ جنوں
کلی شادمانی کی مرجھا گئی
خدا جانے کس کی نظر کھا گئی
مغنّی ذرا چھیڑ دے بانسری
سنا دے کوئی راگنی مدھ بھری

مغنّی ذرا اپنا بربط سنبھال
فسانے محبت کے دوزخ میں ڈال
محبّت نے دل میرا خوں کر دیا
محبّت نے محوِ جنوں کر دیا
سُنا کوئی تازہ غزل شعلہ کار
کہ نِکلے کسی طرح دل کا بخار
کیا خنجرِ غم نے دل چاک چاک
پلا ساقیا بادۂ تابناک
نہ کر عشق میں فکرِ سود و زیاں
نہ ہو کاوشِ این و آں سے ہلاک
نہ دنیا کی پروا نہ عقبےٰ کا خوف
نہ جنّت کی خواہش نہ دوزخ سے باک
میرے خوں سے عابدؔ ہے شانِ بہار
میرے خوں سے رنگیں ہیں رگہائے تاک

شامِ نشاط

بہارِ نشاط و فروغِ شباب
پلا ساقیا بادۂ برق تاب
فضا نغمہ زار و ہوا اشکبار
اٹھا ساقیا ساغرِ زرنگار
پلا ساقیا بادۂ لعل فام
کہ رنگیں ہوئی تیرے جلووں سے شام
سُن اے مطربِ نغمہ پرداز سُن
کوئی نغمہ ظالم طربناک چن
نہیں جوگ سے کوئی مجھ کو مذاق
کہ طے ہو چکی ہے بساطِ فراق
زہے وصل کی شب زہے انبساط
کہ معمورِ عشرت ہے دل کی رباط

یہ حالت ہے گھر کی سرِ شام سے
کہ طلعت رُواں ہے در و بام سے
بچھا ساقیا آج پھولوں کا فرش
کہ شرمائے اپنے ستاروں پہ عرش
میسّر ہے سامان بزم و سرُود
دف و بربط و مزمر و چنگ و عود
اُٹھ اے ساقی دل رُبا رقص کر
اُٹھ اے مطربِ خوش نوا رقص کر
ہوئی آج مشکل محبت کی حل
سُنا دے کوئی رُوح پرور غزل

○

اُٹھائیں اگر آپ مُنہ سے نقاب
تو پھیکا پڑے چہرۂ آفتاب
بہت آستانوں پہ سجدے کیے
بہت کر دیا ہیں ہنے رسوا شباب

نہ کر اُن سے ملنے کی اے دل ہوس
کہاں خس کہاں شعلۂ آفتاب
وہ بہکی ہوئی چال بیباک و مست
وہ مہکے ہوئے گیسوئے مشکناب
اُنہیں جب سے دیکھا ہے عابدؔ نے یوں
نہ آرام دن کو نہ ہے شب کو خواب

○

چمن زار دل میں بہار آ گئی
بہار آ گئی، آشکار آ گئی
دھڑکنے لگا سینۂ کائنات
ہوئی تیز رفتار نبضِ حیات
یکایک فضا گُل بداماں ہوئی
یکایک تجلی نمایاں ہوئی
بدلنے لگا انتظامِ جہاں
کہ سُورج ہوا رات کو ضو فشاں

وہ آئے جلو میں لیئے نُور کو
خبر دے کوئی جلوۂ طُور کو
ہُوا اُن سے پھر آمنا سامنا
مجھے ہم نشیں تھا منا تھا منا

○

ہوئی خاکساری مری سرفراز
ہُوا ناز اُن کا اسیرِ نیاز
محبّت کے نالے رسا ہو گئے
دریچے سعادت کے وا ہو گئے
نہ وہ بے قراری نہ دورِ جنوں
جنوں ہو گیا مایۂ وارِ سکوں
الٰہی ترا شکر ہے لاکھ لاکھ
کہ رکھ لی ہے ناچیز بندے کی ساکھ
تمنا کی نورس کلی کھِل گئی
ترے فیض سے زندگی مِل گئی

ساقی نامہ

بہار آئی ساقی بطِ مے اٹھا
ہتھیلی پہ تختِ جم رکھ کے اُٹھا
دکھا کوئی محفل کو جادوگری
اُتار اپنے شیشے میں ساقی پری
اُبلنے لگی زندگی خاک سے
نکلنے لگا خوں رگِ تاک سے
زمانے نے اُلٹی بساطِ خزاں
پلا ساقیا بادۂ ارغواں
مے لعل کو آبِ حیواں بنا
خطِ جام مے کو رگِ جاں بنا

مغنی کوئی راگ اِس شان سے
که بجلی لپٹ جائے ہر تان سے
نہیں قید کچھ بھیرویں ٹھاٹھ کی
کوئی شے کسی دل نشیں ٹھاٹھ کی
نکلتے ہوں شعلے رگِ سنگ سے
ٹپکتا ہو خوں پردۂ رنگ سے
کوئی دھن بطرزِ عراق و حجاز
کوئی شے شہانہ ہو یا شاہناز
کوئی سُر ہو، کومل رکھب یا گندھارؔ
کوئی تال ہو، دادرا یا دھمار
وہ دھرپد ہو اے نغمہ گر یا خیال
کوئی نغمہ ہو بہرِ رفعِ ملال
چلی آئے آوازِ شہپورِ روئے
درت ہو کہ مطرب ملمپت ہو لے

○

سُن اے نغمہ گر اے بہار آفریں
تیری ساحری پہ ہزار آفریں

خرد کا ہے شیرازہ بکھرا ہوُا
سُنا دے کوئی راگ نکھرا ہوُا

مُغنّی سُن اے رازدانِ بہار
بہت تیز ہے کاروانِ بہار

کلی کو چٹکنے کی فرصت نہیں
ہوا کو مہکنے کی مہلت نہیں

اُٹھ اے زینتِ انجمن رقص کر
اٹھ اے رشکِ سرو و سمن رقص کر

ذرا ساز سے ناز کے سُر مِلا
بڑی دیر کے بعد یہ گُر مِلا

کہ مستی میں کھلتا ہے رازِ حیات
اسی سُر پہ بجتا ہے سازِ حیات

محبت کا سوزِ نہاں رہ گیا
بجھی آگ لیکن دھواں رہ گیا

مرا دل ہے اور ہمنشینوں کا سوگ
مسافر ہیں کارواں رہ گیا

دلآویز ہے کس قدر کوئے شوق
جہاں کوئی بیٹھا وہاں رہ گیا

ہوئیں کم نہ تقدیر کی گردشیں
زمیں تھک گئی آسماں رہ گیا

گیا تھا پئے سیرِ دشتِ جنوں
خدا جانے عابدؔ کہاں رہ گیا

مہر شریف عباسی کاتب، نومبر ۱۹۵۴ء